www.neweramagazine.com
New Era Magazine
NEW ERA MAGAZINE
وہ یقین کا اک نیا سفر
وہ یقین کا اک نیا سفر
فرحت اشتیاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مکمل ناول)

وہ یقین کا ایک نیا سفر

از فرحت اشتیاق

ہماری ویب میں شائع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر زوبیہ خلیل !آپ یہاں جاب کیوں کرنا چاہتی ہیں۔

پچھلے سے مسلسل خاموش بیٹھے اس بے پناہ بارعب شخصیت کے مالک بندے نے اچانک سوال کیا تھا انٹرویو میں بیٹھے تین افراد میں سے مسلسل دو ہی افراد اس سے سوالات کر رہے تھے اس نے چونک کر وضاحت طلب نظروں سے اسکی جانب دیکھا ۔میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آخر ایسی کیا وجہ ہے جو آپ پشاور چھوڑ کر اس دورافتادہ بستی میں جاب کرنا چاہتی ہیں؟

اس نے خود ہی اپنی بات کی وضاحت کردی۔

یہ اس کا پہلا انٹرویو نہیں تھا۔وہ اس سے پہلے بے شمار جگہوں پر دے چکی تھی ملازمت کرنا بھی نیا تجربہ نہیں تھا۔مگر یہاں اپنے بالکل سامنے اس وسیع میز کے پیچھے بیٹھے اس بندے میں پتہ نہیں ایسی کیا بات تھی کہ وہ تھوڑی سی نروس ہو گئی۔حالانکہ وہ خود کو تیار کرکے آئی تھی ایسے سوالات کے لیے۔۔مگر اس وقت معلوم نہیں کیوں ایسے لگا تھا جیسے وہ اس سے جھوٹ نہیں بول پائے گی۔وہ اپنی زہین آنکھوں سے نہ صرف اس کا جھوٹ پکڑ لے گا بلکہ شاید ساری سچائی بھی جان لے۔اس نے اپنے ماتھے سے پسینہ صاف کیا

اس لیے کے آپ کے ایڈ میں دیا گیا سیلری پیکیج اور دیگر مراعات میرے لیے

Attractive تھیں۔میں ہاوس جاب کے بعد پچھلے ایک سال کے دوران گورنمنٹ جاب حاصل کرنے کے لئے خاصی کوشش کر چکی ہوں۔جس میں سوائے ناکامی کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔اگر پرائیویٹ جاب ہی کرنی ہے تو ایسی جگہ کیوں نہ کروں جہاں مجھے میری محنت کا بہتر معاوضہ مل رہا ہو۔

گھر سے سوچ کر آئے ہوئے انسان دوستی خدمت خلق وطن خدمت اور دکھی انسانیت کا دور قسم کے الفاظ اسے یکسر بھول گئے تھے۔جھوٹ تو خیر اب بھی اس نے بولا تھا مگر گھر سے سوچ کر آئی ہوئی دھواں دھار تقریر وہ نہیں کر پائی۔اس کے چہرے پر اپنی بات کا رد عمل دیکھنا چاہا تو سوائے سپاٹ چہرے کے کچھ نظر آیا۔یہ یقیناً انڈر یو کا آخری سوال تھا۔کیونکہ اس سوال کا جواب دیتے ہی اسے اجازت مل گئی تھی۔بلاشبہ یہ اس کی زندگی کا سب سے طویل انڈریو تھا۔

دائیں طرف بیٹھی خاتون ڈاکٹر سے ہاتھ ملا کر بقیہ دونوں حضرات کو خدا حافظ کہتی بیگ کندھے پر ڈال کر کمرے سے نکل گئی۔

انٹرویو کے دوران خاتون نے بھی اور دوسرے ڈاکٹر صاحب نے بھی بات چیت کے ساتھ ساتھ فائل میں لگی اسکی سند کو باغور جائزہ لیا مگر وہ عجیب آدمی تھا اس نے نہ تو فائل کو ہاتھ لگایا نہ ہی پیشہ وارانہ سوال کیا حالانکہ وہ دونوں اس سے بہت سے سوالات

کرتے رہے تھے۔

کتنا عجیب سا تھا وہ بندہ۔ بظاہر یوں لگ رہا تھا جیسے کہیں کھویا ہوا ہو لیکن ایسا تھا نہیں۔ گھر آنے کے بعد بھی کافی دیر تک وہی کے بارے میں سوچتی رہی۔

وہ پوری طرح وہاں موجود تھا اور میرے ہر انداز اور ہر ہر جملے کو تول رہا تھا۔ اندازہ لگا رہا تھا کہ میں کتنے پانی میں ہوں۔ مجھے اپنے پیشے سے متعلق کتنی معلومات ہیں اسے کاغذوں پر لکھی ڈویثرن اور گریڈز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ میرے اندر موجود ہر اچھائی ہر برائی ہر خوبی اور ہر خامی کو دیکھ رہا تھا گھوج رہا تھا۔

کیسا رہا تمارا انٹرویو؟

خالہ امی نے اس کی شکل دیکھتے ہی سوال کیا

بس، دعا کریں وہاں موجود ایک صاحب سے میں نے پوچھا تھا وہ بتا رہا تھا میرے علاوہ بھی تین لیڈی ڈاکٹر ز انٹرویو دے چکی ہیں۔ اور آج بھی میرے آنے کے بعد بھی دو اور ڈاکٹر کو انٹرویو کے لئے آنا، تھا۔ وہ تھکے ہارے انداز میں بستر پر گر گئی۔

خوامخواہ درد سر لے رہی ہو تم اچھی بھلی تو چل رہی تھی یہاں تمہاری جاب چلو بھئی مانا کہ بہت عالیشان نہیں ہے لیکن نہ سے ہاں تو ہے پھر اللہ نے چاہا تو یہی پر اچھی جاب مل جائے گی۔

اسے اس لمے خالہ امی پر بہت ترس آیا حالانکہ دل سے وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ اسے وہاں جاب مل جائے لیکن بے چاری مجبور تھی

تقریباً پندرہ دن پہلے اس کی نظر اخبار میں دیے گئے اشتہار پر پڑی تھی ان دنوں وہ اسی اھیڑبن میں مصروف تھی کہ ایسا کیا کرے کے یہاں سے چلی جائے اور خالہ امی کا بھرم بھی رہ جائے۔ایک سال پہلے جب وہ کراچی سے پیشاور خالہ امی کے پاس آئی تھی تو اس نے سکھ کا سانس لیا تھا وہاں کے گھٹن اور اجنبی ماحول سے نکل کر یہاں کے اپنائیت بھرے ماحول میں اسے بہت اطمنان نصیب ہوا تھا۔

خالو کو کچھ سال ہوئے تھے فوت ہوئے

خالہ امی کا گھرانہ ایک مڈل کلاس گھرانہ تھا دو بڑی بیٹیوں کی شادی وہ کر چکی تھی اور اب گھر میں محسن بھائی اور شہلا کے بچے تھے اس نے ان کے گھر کو اپنا گھر سمجھ لیا تھا محسن بھائی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شہلا کے ساتھ چھوٹی چھوٹی شرارتیں وہ پچھلی ہر بات بھول چکی تھی تھوڑی کوشش کے بعد اسے پرائیویٹ ہسپتال جاب بھی مل گئی تھی ۔خالہ امی کی محبت ایک جگہ مگر وہ ان پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی اسے اندازہ تھا کے محسن بھائی کی آمدنی اتنی نہیں ہے کہ وہ ان پر اپنا بار بھی ڈال دے۔خالہ امی شہلا کی شادی کے لیے جوڑ توڑ میں مصروف رہتی تھی ایسے میں وہ اپنی وجہ سے ان لوگوں پر کوئی بوجھ ڈالنا

ہر گز منظور نہیں تھا جاب مل جانے پر اس نے سکون کا سانس لیا.

زندگی بہت سکون سے گزر رہی تھی جب تک محسن بھائی کی شادی نہیں ہو گئی تھی ۔ان کی شادی ہوتے ہی زوبیہ کا سارا سکھ چین جاتا رہا روبی بھابی کو شروع دن سے ہی پتہ نہیں اس سے کیا دشمنی ہو گئی تھی شروع میں تو وہ ان کے رویے کو سمجھ نہیں سکی۔ مگر جب اگے پیچھے کئ مرتبہ طنزیہ جملے کسے تو وہ حیران رہ گئی۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں کس بات پر خار ہے اپنی طرف سے اس نے خوشکوار تعلقات استوار کرنے کی بہت کوشش کی مگر کوئی کوشش کارآمد ثابت نہیں ہو سکی۔ شروع والے طنزیہ الفاظ براہ راست کاٹ دار گفتگو میں تبدیل ہو گئے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہاں تک تو اس نے برداشت کیا تھا وہ ان کی باتوں پر خاموشی اختیار کر کے جھگڑے کو طویل نہیں ہونے دیتی تھی۔یہی کے وہ اکیلی کب تک لڑے گی آخر خود ہی ہمت ہار جائے گی۔ مگر اسکی خام خیالی جلد ہی غلط ثابت ہوئی۔پہلے محسن بھائی بعد میں شہلا کو بھی انہوں نے اس انداز سے دل برگشتہ کیا اور وہ دیکھتی رہ گئی۔ایک گھر میں رہتے ہوئے محسن بھائی سوائے سلام کے جواب کے اس سے کوئی بات نہیں کرتے تھے کتنا برا لگ رہا تھا ان کا رویہ اسے وہ اسے نظر انداز کر کے خالہ امی سے پہلے کی طرح بات کرتے اسے یوں سمجھتے جیسے وہ موجود ہی نہیں

ابھی وہ محسن بھائی کے سلوک سے افسردہ تھی کہ شہلا کو بھی اس نے بدگمان کر دیا۔ وہ اس دن کلینک سے خلاف معمول جلدی آ گئی تھی لاونج میں بیٹھے بھابی اور شہلا نے اسے نہیں دیکھا تھا اندر داخل ہوتے ہی اپنا نام سن کر وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

اس لڑکی کے ہوتے ہوئے تماری شادی کبھی نہیں ہو سکتی۔ سوچو ایسی کیا بات ہے کہ ایک بار آنے کے واپس پلٹی ہی نہیں امی بھی اسی وجہ سے سخت پریشان ہیں ابھی پرسوں جو رشتہ محسن کے دوست کے گھر سے آیا تھا پتہ ہے ان لوگوں نے کیا کہا ہے

وہ شہلا کے پاس بیٹھی ہمدردانہ انداز میں کہہ رہی تھی وہ سر جھکائے ان کی باتیں سن رہی تھی..

اس لڑکے کی والدہ نے کہا ہے کہ آتے ہوئے جس لڑکی کو گیٹ پر دیکھا تھا اس کا رشتہ ہو جائے تو ہمیں بہت خوشی ہو گی۔ حالانکہ تم کوئی شکل کی بری نہیں نہ وہ کوئی حور پری ہے مگر ایسی لڑکیوں کو مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے سب گر آتے ہیں کچھ تو ادا دیکھائی ہو گئی جو گیٹ پر دیکھ کر ہی عاشق ہو گیا وہ کھڑی سب سن رہی تھی کانوں میں صرف دو الفاظ بار بار گونج رہے تھے ایسی لڑکیاں ؛؛ اس کا دل چاہا وہ ان کا گربان پکڑ کر پوچھے کیسی لڑکیاں وہ کس قسم کی لڑکیوں کا ذکر کر رہی تھی

اس رات وہ کتنے عرصے بعد اپنے رب سے شکوہ کناں ہوئی تھی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کب میری سزا معاف ہو گی۔ آخر کب ؟ تو بہت غفور و رحیم ہے اگر بندہ سچے دل سے توبہ کرے تو تُو اس کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے اور میں اتنے برس سے اپنے گناہ کی معافی مانگ رہی ہوں مجھ پر رحم فرما کیا میرا ماضی کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا جو میری زندگی کے شرمناک باب رد نہیں ہو سکتے آخر یہ زلت کب تک سہنی پڑے گی۔

)مکمل ناول پڑھنے کے لیے فس بُک پیج ناول ہی ناول لائیک کریں(

اپنے آنسو اپنے اندر چھپا کر وہ سب کاموں میں حصہ لے رہی تھی جو اس نے اس گھر کو اپنا ماننا شروع کر دیا تھا وہ کفایت ختم ہو گئی تھی شہلا برائے نام بات کرتی کوئی ضروری ہو تو خالہ امی کا رویہ بس پہلے جیسا تھا وہ لوگوں کے ساتھ میل جول میں خاصی روکھی مشہور تھی وہ رشتے والے کیا کوئی بھی مہمان آتا تو ڈرائینگ روم میں پھٹکتی بھی نہیں ایسے میں اس پر الزام کے شہلا کے رشتے اسے سوچ کر بھی شرم آ رہی تھی۔ کتنا، گھٹیا الزام لگایا تھا اس کا بہت بار دل چاہا کہ شہلا کو سمجھائے پیاری شہلا تم اداس اور ناامید مت ہو جب تمہارے نصیب کھلیں گے ہر رکاوٹ آپ ہی آپ دور ہو جائے گی۔ اور ضروری نہیں آنے والے تمہیں ناپسند کر دیتے ہیں ہو سکتا ہے ابھی درست وقت نہیں آیا جو اللہ نے تماری شادی کے لیے مقرر کر رکھا ہے

مگر وہ ایک دم اتنی دور ہو گئی تھی کہ چاہتے ہوئے بھی بات نہیں کر پا رہی تھی اس روز

وہ کلینک سے واپس آرہی تھی جب رشتے والوں نے اسے گیٹ پر دیکھا تھا۔اور سوائے رسمی سلام دعا کے بالکل بھی نہیں رکی تھی مگر بھابی نے جو نفرت کا بیج بویا وہ پھیل رہا تھا وہ چپ چاپ سب دیکھ رہی تھی مگر کسی انتہائی فیصلے کا اس نے نہیں سوچا جب تک بھائی محسن کی طرف سے انتہائی گھٹیا الزام نہیں لگایا گیا اس دن بس اتنا ہوا تھا تیز بارش میں اسے گھر آنا مشکل لگ رہا تھا اس نے محسن بھائی کو فون کر کے کہا تھا کہ واپسی میں اسے پک کر لیں۔اسے اور محسن بھائی کو ایک ساتھ آتا دیکھ کر بھابی نے آسمان سر پر اٹھا لیا ان کے کمرے سے چیخنے چلانے کی آوزیں آرہی تھی وہ باآسانی سن پا رہی تھی شرم آنی چاہیے تمیں ایسا الزام لگاتے ہوئے وہ بھابھی سے بھی اونچا بول رہے تھے۔

شرم آپ کو آنی چاہیئے جو گھر میں پاکباز حیادار بیوی کے ہوتے ہوئے بد چلن کے ساتھ گلچھڑے اڑا رہے ہو۔وہ ساری رات اس زلت میں بے آواز روتی رہی۔اسے کیا کرنا تھا وہ بالکل نہیں جانتی تھی مگر یہ طے تھا کے اب یہاں نہیں رہنا اگلے دن خالہ امی اسے خود سے نظریں چراتی اسے مزید شرمندہ کر گئی وہ سارا دن سوچتی رہی کبھی ہاسٹل رہنے کا کبھی سوچتی کہیں گیسٹ کے طور پر رہنے لگے کوئی بات اسے دل میں بیٹھ نہیں رہی تھی۔اس شہر میں رہ کر ہوسٹل میں رہنا بہت مشکل تھا خالہ امی کو اپنے ملنے ملانے

والوں کے سامنے کتنی شرمندگی ہوتی ہوگی

زوبیہ تواب میرے ہی گھر سے رخصت ہوگئی۔ماہ طلعت کی بیٹی ہے اس کے احسانات مرتے دم تک نہیں اتار سکتی۔اوراب اسی پیاری ماہ طلعت کی لاڑلی بیٹی ہاسٹل میں رہتی تو دس طرح کی باتیں کرتے وہ جتنا سوچ رہی تھی دماغ اتنا الجھ رہا تھا مگر اسی روز رات اخبار دیکھتے ہوئے جب اس کی اشتہار پر نظر پڑی تو ایسا لگا جیسے اس کے مسلے کا حل نکل آیا۔اس نے اگلے ہی روز پی سی وی پوسٹ کر دی اور بے تابی سے جواب کا انتظار شروع کر دیا۔اسے وہاں سے کال آنے کی کافی امید تھی۔اس طرح کسی بستی دور میں لیڈی ڈاکٹر کا جانا بہت ہی مشکل تھا

وہاں سے انٹرویو کے لئے کال آئی تب اس نے خالہ امی کو اس کے بارے میں سب بتا دیا۔انہوں نے اوپرے دل سے ڈنٹا ڈپٹا مگر صاف لگ رہا تھا وہ اسکے چلے جانے میں خوش ہیں شاید آج کل وہ خود بھی اس سے یہی کہنے والی تھی مگر کہہ نہیں پا رہی تھی ۔کیسے کہہ دیتی واپس اپنے گھر لوٹ جاؤ وہ جس کی ماں نے اس پر بے شمار احسان کر رکھے تھے اسے اپنے گھر سے جانے کا کیسے حکم سنا دیتی۔اسے خالہ می پر بہت تاس آتا تھا ایک طرف وہ اولاد کے ہاتھوں مجبور تھی دوسری طرف احسان کا بوجھ گھر کا ماحول ویسے بھی کشیدہ چل رہا تھا۔نہ بھابھی نہ شہلا نہ ہی محسن بھائی اس سے بات کرتے وہ

مجرموں کی طرح رہ رہی تھی کئی بار خیال آیا کے اگر وہاں سے کال نہیں آئی تو کیا ہوگا ۔انٹرویو دینے کے پانچ دن بعد اس نے ڈاکٹر آصفہ علی کی کال ریسیو کی آپ پہلی تاریخ سے جوائن کر سکتی ہیں۔ وہ آواز سے پہچان گی انٹرویو کے وقت ڈاکٹر آصفہ وہی تھی جلدی سے سب تیاری کر کے وہ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ایک اور دربدری ایک اور جلہ وطنی

ویک اینڈ پر ضرور آیا کرنا اسے ایرپورٹ چھوڑنے محسن بھائی آئے تھے اس کے اس طرح جانے سے وہ بہت شرمندہ نظر آرہے تھے۔ان کا شرمسار لہجہ رویہ اسے بھی شرمندہ کر رہا تھا۔رخصت ہوتے ہوئے جب اس نے بھابھی کو سلام کیا بنا جواب دیے اپنے کمرے میں گھس گئی شہلا البتہ اسے خالہ امی کے ساتھ اسے گیٹ تک چھوڑنے آئی۔وہ رسمن چھیٹوں میں ضرور آنا اس نے بھی رسمن ہامی بھر لی۔

جہاز میں ارد گرد لا تعلق بیٹھے اسے برسوں پہلے پڑھی نظم یاد آنے لگی

کریں رخ نگر نگر کا

کے سراخ کوئی پائیں

کسی یار نامہ بر کا

ہر ایک اجنبی سے پوچھیں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جو پتہ تھا اپنے گھر کا

وہ سب سوچوں کو جھٹک کر زہین کو پر سکون رکھنا چاہتی تھی۔ ہر فکر سے آزاد ہو کر اس سر زمین میں کھو گئی جو قدرتی حسن سے مالا مال تھی.

گاڑی اس پر شکوہ عمارت کے سامنے رکی تو وہ ہر سوچ سے آزاد ہو کر اس قدیم وجدید عمارت کو باخور دیکھ رہی تھی اس کا انٹرویو پشاور میں ہی ہوا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی ان لوگوں نے پشاور کے سب سے بڑے ہسپتال کا انتخاب کیا یہاں آنے سے پہلے اس نے زہین میں جو ہسپتال کا خاکہ بنایا تھا وہ اس سے کی گناہ حسین اور دل کش تھا اندر داخل ہونے پر ڈاکٹر آصفہ نے گلے لگا کر گرم جوشی سے استقبال کیا۔

ویلکم ڈاکٹر زوبیہ،، وہ پچاس ساٹھ کے بیچ ہوں گی کالے رنگ کا سوٹ اسکے اوپر بڑی سی شال ہلکی پلکی جیولری میں وہ بہت گریس فل لگ رہی تھی۔ انٹرویو والے دن کے سرد سپاٹ تاثرات کی جگہ آج خوشکوار مسکراہٹ نے لی ہوئی تھی

سفر میں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟

ڈرائیور سہی وقت پر پہنچا کے نہیں؟

وہ اپنائیت سے ساتھ لے کر چل رہی تھی ساتھ سوال جواب کا سلسہ جاری تھا۔ ان کی باتوں کے جواب کے ساتھ وہ گردوپیش کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔ اس سے بات کرتی

ہوئی ڈاکٹر آصفہ ایک کمرے میں داخل ہوئی ڈاکٹر شہزور علی نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔

سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ان کے لہجے میں بزرگانہ شفقت تھی۔وہ ان لوگوں کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئی ڈرائیور سے لے کر اب تک سب کا رویہ بہت پر خلوص تھا اور مہمان نواز بھی ایسا لگ رہا تھا وہ ملازمت کے لئے نہیں دعوت پر آئی ہو۔اس سے بات کرتے وقت تھوڑی تھوڑی دیر میں ڈاکٹر آصفہ کو چھیڑ رہے تھے

یہ خاتون اصل میں میری بیگم بھی ہیں وہ حیرت سے مسکرادی تو وہ بھی مسکرانے لگے۔ اسفندیار کو ہیلتھ منسٹری میں کچھ کام تھا اس لیے وہ اسلام آباد گیا ہوا تھا۔شاید کل تک آ جائے۔اب آپ کو پتہ ہی ہے کسی بھی ادارے کالج سرکاری پرائیویٹ ہو یونیورسٹی جب تک اسلام آباد سے تعلقات سہی نہیں رکھے جائیں ادارے چل نہیں سکتے کافی کا سپ لیتے ہوئے انہوں نے کہا ڈاکٹر اسفندیار کو جانتی ہو؟ وہ اس دن انٹرویو کے وقت موجود تھے

اس کے زکر کے ساتھ ہی اسے اس بندے کا پراسرار سا انداز بھی یاد آ گیا

اسفندیار ہی اس ہسپتال کا مالک ہے چھ سال پہلے اسفند میں اور شہزور ہم تینوں نے اس ہسپتال کی بنیاد رکھی تھی۔شروع میں ہمارے پاس سہولت کم تھی ڈاکٹر اور دیگر

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسٹاف بھی نہ ہونے کے برابر تھا ہم محنت تو کرتے تھے مگر اتنے پر امید نہیں تھے کہ ہمارے مقصد کی کامیابی بھی ہو جائے گی۔ مگر اسفندیار انتھک محنت پر یقین رکھتا تھا بہت مشکل پسند ہے وہ۔ ہم تھکنے لگتے ہارنے لگتے وہ اپنے ارادوں میں مضبوط تھا اب دیکھ لو اتنے سالوں میں ہمارا ہسپتال ترقی کر چکا ہے ایکسرے الٹرا ساونڈ دیگر بے شمار ٹیسٹ وغیرہ اب ہم سب اپنے ہاں ہی کر لیتے ہیں یہاں آپریشن تھیٹر بھی تین سال سے شروع ہو چکا پہلے مریضوں کو معمولی ٹیسٹ کے لیے شہر جانا پڑتا تھا اب اللہ کا شکر ہے یہاں سے سہولتیں موجود ہیں ڈاکٹر آسفہ کے چہرے پر خوشی کے رنگ نظر آرہے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپ لوگ یہی کے رہنے والے ہیں؟

ان دونوں کے سرخ سفید رنگت سے اس نے یہی اندازہ لگایا تو پوچھ بیٹھی انگلش دونوں بالکل درست تلفظ میں بول رہے تھے مگر اردو صاف نہیں تھی۔

(مکمل ناول پڑھنے کے لیے فس بُک پیج ناول ہی ناول لائیک کریں)

ہاں میری پیدائش یہی کی ہے۔ آصفہ البتہ آصفہ البتہ ایبٹ آباد کی رہنے والی ہیں میرے بچپن میں ہی ہمارہ فیملی امریکہ سیٹل ہو گئی تھی تعلیم مکمل ہوئی پھر وہیں آصفہ سے ملاقات ہوئی اور پھر شادی بھی ہو گئی۔ یہاں کوئی تھا ہی نہیں جس کے لیے واپس

آتے ساری زندگی امریکہ میں بتا دی شادی کے بعد بھی ہم پڑھتے رہے۔ خوب ڈگریاں لی بہت علم حاصل کیا بہت دولت کمائی کبھی بھولے سے بھی وطن کو یاد نہیں کیا۔

میں فلوریڈا یونیورسٹی میں پروفیسر تھا اسفند یار میرا اسٹوڈنٹ بہت اچھا اور بہت جینئس اسٹوڈنٹ تھا اور ساتھ میرا ہم وطن بھی اسی حوالے سے ہماری اچھی انڈرسٹینڈنگ ہو گئی اس نے وہاں پوسٹ گریجویشن کیا وہ بھی اعزازی نمبروں کے ساتھ۔ وہ جتنا قابل اور اچھا سرجن تھا اسی حساب سے اسے بہت جگہوں سے جاب آفر ہوئی مگر اس نے کسی آفر کو قبول نہیں کیا اس وقت مجھے لگا اسفند یار پاگل ہے۔ اسے اپنے فیوچر کیریئر کسی کی دلچسپی نہیں میرے سمجھانے پر دوٹوک انداز میں بولا

میں یہاں غیروں کو زندگی کی نوید سناؤں جب کہ ان کے پاس بہترین معالج کی کمی نہیں اور وہاں میرے چھوٹے سے گاؤں میں وقت پر علاج نہ ہونے کی وجہ سے سسک سسک کر مر رہے ہیں۔ سوری سر ایسی دنیا دولت مجھے نہیں کمانی یہاں کیریئر ہو گا پیسہ ہو گا نام ہو گا جو میرے اندر رہتا ہے شخص وہ مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا

تب میں پہلی بار چونکہ تھا کتنا مختلف تھا وہ کم سن لڑکا اس روز مجھے پچھتاوں نے گھیرا وہ ینگ تھا وہاں کی بھاگتی روڑتی زندگی کتنی ساری کشش وہ سب کو ٹھکرا کر واپس وطن

آگیا اور میں ساری زندگی غیروں کی دل جوئی میں لگا رہا

وہ بہت سنجیدگی سے بول رہے تھے اسفندیار کا ذکر کرتے ان کے لہجے میں بے پناہ شفقت تھی جو اس نے محسوس کی۔جب اسفندیار پاکستان لوٹ رہا تھا تب ہم سوچ چکے تھے یہاں کہ ہسپتال کا ہسپتال کا خواب اسفندیار نے دیکھا تھا ان دونوں میاں بیوی نے وعدہ کیا تھا اس کی تعبیر میں وہ اس کا مکمل ساتھ دیں گے چھ سال پہلے اسفند نے اس ہسپتال کی عمارت تعمیر کی نوید دی یہاں آنے کی دعوت دی ہم لوگوں نے فورا رخت سفر باندھ لیا اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کر چکے تھے اب کوئی زمہداری نہیں تھی وہاں سب کچھ چھوڑ کر بقیہ تمام عمر یہیں بتانے کا فیصلہ کر لیا اس پر دونوں بہت مطمئن تھے۔

لمبے چوڑے مضبوط قد والے ڈاکٹر شہزور اسے بہت اچھے لگے تھے ان کے چہرے پر داڑھی نماز کے نشان ان کی شخصیت ایک نورانی تاثرات پیدا کرتے۔

آیئے میں آپ کو باقی اسٹاف سے تعارف کروادوں۔کافی پی کر فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹر آصفہ نے بتایا یہاں لیڈی اسٹف بہت کم ہے اور سب سے متعارف بھی کروایا ۔یہاں عورتوں کا کام کرنا بہت محیوب سمجھا جاتا ہے۔کئی دور سے عورتیں آکر کریں یہ بھی بہت مشکل کام ہے۔یہاں خاتون ڈاکٹر میرے علاوہ کوئی نہیں تھی اور پردے کی اتنی پابند ہیں عورتیں مرد ڈاکٹر سے علاج نہیں کرواتیں

آپ کو اپائنٹ کرنے کی ضرورت اسی لیے پیش آئی میں اکیلی لیڈی ڈاکٹر دن رات کام آرام کا ٹائم نہیں ملتا اسفند نے کہا ہم لیڈی ڈاکٹر کو اپائنٹ کر لیتے ہیں تا کہ آپ پر بر ڈن کم ہو سکے۔

وہاں دو ڈاکٹر اور بھی تھے جن میں ایک کو مل چکی تھی ڈاکٹر شہاب سوات کے رہنے والے تھے فیملی ان کی منگوہ میں رہتی تھی دوسرے ڈاکٹر تاجدار خان جن سے ابھی ملاقات نہیں ہوئی تھی سب نے کھلے دل سے خوش آمدید کہا۔۔

صبح وہ ازاں کے ٹائم اٹھ گئی تھی نماز کے بعد بہت دیر تک دعا مانگتی رہی آج اس کی جاب کا پہلا دن تھا اپنے رب سے بہتری کی دعا مانگ رہی تھی ناشتہ کر کے تیار ہو کر ہسپتال آگئی سر پر دوپٹہ اسکارف یا چادر کچھ نا کچھ ضرور لیتی تھی۔

اسی لیے اسے یہاں کے ماحول سے گھٹن نہیں ہوئی کوریڈر میں اس کی ملاقات شہزور سے ہو گئی تھی۔

کیسی ہیں آپ؟

ہسپتال میں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟

اپنا کمرہ پسند آیا؟

اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟

اس کے سلام کے جواب کے بعد انہوں نے یکے دیگر کئی سوال کر ڈالے

انہوں نے کچھ اور کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا سامنے آتے اسفندیار کو دیکھ کر چپ ہو گئے وہ تیز قدم کے ساتھ اسی طرف آ رہا تھا وہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھی اسلام عیلکم شہزور نے سلام کرتے ہوئے اس نے اس سے ہاتھ بھی ملایا اسے ایسا لگا اس نے اسے پہچانا ہی نہیں ہے اس لئے سرسری نظروں سے بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔

اسلام علیکم اس نے خود ہی اپنی موجودگی کا احساس دلایا وہ ڈاکٹر شہزور کی باتوں میں مصروف تھا اچانک سلام پر چونکا

وعلیکم السلام بڑا مختصر سا جواب دیا بس،ایک نظر اسے دیکھا پھر گفتگو کا سلسلہ وہی سے کر لیا۔ وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے اس کے چلے جانے کو شاید وہاں محسوس بھی نہیں کیا گیا ہو۔ وہ اسلام آباد کے بارے میں اگاہی کر رہے تھے باقی سب بہت اخلاق والے مگر جس کپاس ملازمت وہ بداخلاق گزارہ کافی مشکل ہے ڈاکٹر اسفہ کے آجانے تک بہت سوچتی رہی۔

ڈاکٹر آصفہ آگیں سلام دعا کے فورا بعد مریضوں کے نفسیات کے بارے میں سمجھایا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپ کو اسفندیار بولا، رہے ہیں ریسیور واپس رکھتے ہوئے انہوں نے اس سے کہا۔

مرد شادی سے پہلے محبت محبت کرتا ہے اور شادی کے بعد بدل جاتا ہے کیوں؟؟

اسکی ایک وجہ فطرت ہے..

عورت کو ہمیشہ مرد سے ضرورت سے زیادہ محبت کی خواہش ہوتی ہے جبکہ اسکے برعکس مرد کو اگر عورت سے بے پناہ ضرورت سے زیادہ محبت مل جائے تو وہ فطرتاً اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے.. اگر ایک ہی وقت میں اسکا پیٹ محبت سے بھر دیا جائے تو اسے دوبارہ محبت کی بھوک نہیں لگتی, اسے قطرہ قطرہ محبت دی جائے تو وہ خوش رہتا ہے..

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دوسری اور اہم وجہ یہ بھی ہے کہ جب عورت شادی سے پہلے ہی مرد کا خیال بیوی کی طرح رکھے گی اور ایسی کوئی بات چھوڑے گی ہی نہیں جو شادی کے بعد آپس میں شیئر کی جا سکے تو یہ جوڑا شادی کے بعد ایک دوسرے سے بیزار ہی ہو گا شادی سے پہلے آپ منگیتر ہوں یا محبوبہ ہوں بیوی بننے کی کوشش نہ کریں جب ایک دوسرے کو شادی سے پہلے ہی جان لیں گے تو بعد میں جاننے کے لیے گفتگو کے لیے کچھ رہے گا ہی نہیں..

یہاں وہ تنہا نہیں پیچھے کوئی ہے جو اس کے لیے دعا کرے گا۔ وہ اولاد کے ہاتھوں مجبور ہو گئی ہیں وہ ایک دم ہلکی پھلکی اور بہت خوش تھی ڈاکٹر آصفہ کو بہت فخر سے بتایا، کے

میری خالہ امی کا فون تھا ایسا کر کے اس کی انا کو کتنی تسکین ملی تھی کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ لاوارث ہے اس کا کوئی گھر نہیں اس کے دل سے منو بوجھ ہٹ گیا تھا

اسے جوائین کیے ایک مہنہ ہونے والا تھا کسی حد تک اس نے خود کو اس ماحول میں ایڈجیسٹ کر لیا تھا اب تو لیٹتے ہی اسے نیند آجاتی بہت بے معنی سوچوں سے اس کا پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

اس روز اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی ڈاکٹر شہاب اور ڈاکٹر تاجدار کی ایک نائٹ ڈیوٹی لگا کرتی تھی اج اس کو ڈاکٹر شہاب کے ساتھ نائٹ ڈیوٹی پر ہونا تھا مگر رات جب اس کے گھر اس کے والد کی بیماری کی اطلاع آئی تو وہ ڈاکٹر شہزور سے اجازت لے کر فوراً روانہ ہو گئے۔ وہ سسٹر رضیہ اور باقی جونیئر نرس کے ساتھ تھی رات کو مشکل کیس نہیں آتے تھے وہ سب جگہ راونڈ لگا کر بچوں کے وارڈ میں آ گئی

کیا ہوا سسٹر آپ کو؟ سسٹر رضیہ کو سر پکڑے بیٹھا دیکھ کر پوچھا

کچھ نہیں بس وہی سر درد اسے پتہ تھا وہ مگرین کی پرانی مریضہ ہے۔

ایسا کریں آپ جا کر آرام کریں میں یہاں ہی ہوں ویسے بھی صبح ہونے میں کچھ دیر ہے۔ اس نے گھڑی دیکھ کر کہا جو چار بجا رہی تھی وہ جانے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھی

آپ اکیلی ہو جائیں گی ڈاکٹر شہاب بھی نہیں ہیں۔ڈاکٹرز کے بعد سب سے زیادہ وہی تجربہ کار تھی اس سے پہلے بھی بڑے بڑے ہسپتالوں میں اس کا وسیع تجربہ تھا۔ تھی نرس مگر فلحال زوبیہ سے زیادہ تجربہ رکھتی تھی۔آپ بے فکر ہو کر جائیں کوئی پرابلم نہیں ہو گی۔

(مکمل ناول پڑھنے کے لیے فس بُک پیج ناول ہی ناول لائیک کریں)

انہیں اطمینان دلا کر رخصت کر کے وہ سکون سے بیٹھی بھی نہیں نرس بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی

ڈاکٹر جلدی آئیں ایک پیشنٹ آئی ہے کافی سیریس حالت لگ رہی ہے۔وہ اسٹیتھسکوپ اٹھا کر اس کے ساتھ بھاگی مریضہ کی حالت بہت خراب تھی فوراً سٹچر ڈال کر اس کے خون کی طرف متوجہ ہوئی۔ تھوڑی کوشش کے بعد خون بہنا رک گیا مگر مریضہ کو ہوش نہیں آ رہا تھا۔اس نے اپنے سارے جتن کر لیے مگر اسے ہوش نہیں آیا تو پہلی بار اس شخص کی طرف متوجہ ہوئی جو اسے لے کر آیا تھا۔

کیا ہوا تھا اسے؟

سیڑھوں سے گر گئی تھی۔وہ گڑ بڑا کے بولا اس کے پاس اس وقت انکوائری کا ٹائم نہیں تھا نہ اس لڑکی کی ہارٹ بیٹ نارمل تھی نہ ہی ہوش آ رہا تھا اس نے فورن فون کر کے

www.neweramagazine.com

تاجدار ڈاکٹر یار اضیہ کو بلوانے کا سوچا۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسفندیار سسٹر کے ساتھ اندر داخل ہوئے وہ اکثر رات کو چل لگا کرتا تھا بقول ڈاکٹر شہاب چھاپہ مارا کرتا تھا یقینا سسٹر نے انہیں ایمرجنسی کیس کا بتایا ہو گا۔ وہ تیزی سے مریضہ کے پاس پہنچا جلدی جلدی معائنہ کر رہا تھا ساتھ پوچھ رہا تھا اب تک کیا کر چکے ٹریٹمنٹ اکیلے کسی ایمرجنسی سے نمٹنے سے اسے پسینہ آ گیا تھا کسی سینئر کے ساتھ اور اکیلے سنبھالنا کتنا مشکل ہے اسے پہلی بار اندازہ ہوا اور اپنی کمزوری کا بھی پتہ چلا اسے وہ لڑکی اچانک شاک میں چلی گئی تھی یقیناً زوبیہ خاموشی سے اسفند کو ٹریمنٹ کرتے دیکھ رہی تھی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کافی کوشش کے بعد لڑکی کو ہوش آیا۔ ہوش میں آتے ہی تکلیف سے کراہنے لگی خون سر سے بہہ رہا تھا مگر وہ اپنے پیٹ کمر کو پکڑ کر رو رہی تھی اس کے جسم پر نیل پڑے ہوئے تھے آنکھ بھی سوجی ہوئی تھی کچھ دیر میں داوں کے اثر سے غفل ہوئی تو وہ کمرے سے نکل گیا۔

آپ زرا میرے روم آئیں زوبیہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں آ گئی۔

ڈاکٹر شہاب کہاں ہیں ؟ کافی سخت لہجے میں پوچھا

ان کے گھر سے فون آیا تھا ان کے والد کی حالت ٹھیک نہیں تھا ڈاکٹر شہزور سے چھٹی

لے گئے وہ نروس ہو کر بولی۔

اور سسٹر رضیہ ؟ سر ان کو مگرین کی تکلیف ہو گئی تھی میں نے انہیں آرام کا کہا تھا وہ دل میں سوچ رہی تھی ایسا نہ ہو رضیہ بے چاری کو تھوڑے آرام کے لیے بہت سننا پڑے۔

آپ کو یہ اتھارٹی کس نے دی کے آپ کسی کو چھٹی دیں بہت گہرا کاٹ دار طنزیہ تھا آپ کو پتہ ہے نا ابھی آپ جونئر ہیں کسی ایمر جنسی کو اکیلے ہینڈل نہیں کر سکتی مگر پھر بھی آپ نے رسک لیا۔ اگر آپ کے ناتجربہ کاری سے کوئی جان سے جا سکتا تھا آپ کی انسانی ہمدردی ہو گئی تھی ہسپتال کا ریپوٹیشن خراب ہو جاتا ان کی آواز تیز ہو گئی تھی وہ سر جھکائے مجرموں کی طرح کھڑی تھی وہ گہری سانس لے کر سیٹ پر بیٹھ گیا

یہ آپکی پہلی غلطی ہے اس لئے اگنور کر رہا ہوں مگر نکسٹ ٹائم میں معاف نہیں کروں گا کوئی ایمر جنسی ہے کوئی پرابلم ہے مجھے کسی وقت بھی بتایا جا، سکتا ہے کوئی اور میسر نہیں تو میں آسکتا ہوں۔

آئی ایم سوری اس نے بری نیت سے کچھ نہیں کیا تھا مگر غلطی تو ہوئی تھی۔

اب آپ جا، سکتی ہیں دراز کھول کر ڈھونڈتے ہوئے کہا

اور ہاں ایک اور بات وہ دروازے سے نکلنے والی تھی پیچھے سے آواز پر رکی ایک ڈاکٹر اور عام آدمی میں اتنا فرق تو ہونا چاہیے کہ خون دیکھ کر گھبرا جائے پھر وہ ڈاکٹر کیا ڈاکٹر ہوا وہ اسی مصروف انداز میں بول رہا تھا وہ سن کر چپ سر جھکائے کمرے سے نکل آئی تھی ۔اس نے جو کیا وہ غلط نہیں تھا اسے بھی بہت رونا، آرہا تھا وہ نالائق ثابت ہوئی تھی خود پر شرمندہ تھی۔

اگلے روز سسٹر راضیہ سے ملاقات ہوئی اس نے ڈرتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا مگر وہاں کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں تھا۔رات اپ نے مجھے بھیج دیا پیچھے ایمر جنسی ہو گئی بلا لیتی۔انہوں نے خود ذکر کیا تو وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔آپ کو کچھ کہا ڈاکٹر اسفندیار نے؟ وہ مسکرائی کافی کچھ کہا مگر غلط نہیں کہا۔آپ نیو تھی میں منہ اٹھا کر چلی گئی میرا کام تھا ڈاکٹر اسفندیار کو خبر کرتی وہ ڈانٹ کھا کر بھی سکون میں تھی۔وہ حیران تھی شاید یہ لوگ ڈانٹ کھا کھا کر عادی ہو گئے۔جس کی وجہ سے دونوں نے ڈانٹ کھائی اس کی حالت اب کافی بہتر تھی

کیا ہوا تھا تمارے ساتھ؟ گر گئی تھی وہ مختصر بولی۔مگر مجھے یہ سیڑھیوں سے گرنے کی چوٹ نہیں لگ رہی تمارے جسم پر نیل کیسے پڑے۔کہہ تو رہی ہوں گر گئی تھی۔وہ

چڑ چڑے انداز میں بولی۔ مگر لہجہ شکست تھا۔

دیکھو مجھے صیحع صیحع بتاؤ مجھے ایسا لگ رہا ہے کسی نے تشدد کیا ہے کیا کسی نے مارا تھا؟ وہ جو ساتھ تھا کون تھا؟ تمہارا باپ تھا؟ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوستانہ انداز میں کئی سوال کر ڈالے۔

وہ میرا شوہر تھا وہ تلغ لہجے میں بولی۔ وہ سکتے کی حالت منہ کھولے اسے دیکھتی رہ گئی ۔شوہر۔۔۔۔؟ وہ تو پندرہ سولہ کی تھی وہ پچاس سے اوپر کا تھا ہاں شوہر بہت شوق ہو رہا آپ کو سننے کا تو سب سنا دوں کل میرے شوہر اور ساس دونوں نے مل کر مارا تھا وجہ یہ تھی نماز پڑھنے لگ گئی ساس کو ٹائم سے کھانا نہیں ملا۔ دعا مانگتے ہوئے شوہر نے بال سے گھسیٹے ہوئے ماں کے پاس لے گیا پھر دونوں نے مارا مار تو میں روز کھاتی ہوں کبھی غلطی تو کبھی بے قصور سر میرا سیڑھیوں سے گر کر نہیں پھٹا ساس نے سر پر قینچی ماری تھی شوہر نے پیٹ کمر پر لاتیں ماری تھی۔ پھر مار کھاتے بے ہوش ہو گئی مجھے نہیں پتہ ہوش آیا تو یہاں تھی۔ اسے لگا ہو گا مر نہ جاؤں تو یہاں لے آیا۔ وہ آنکھ ٹپکائے اتنے سکون سے بتا رہی تھی جیسے کسی اور کی کہانی ہے وہ بری طرح کانپ گئی اتنی سی بچی اتنے ظلم۔ جس کی عمر کھلنے کودنے کی ہے تمہارے ماں باپ کچھ نہیں کہتے داماد کو ۔؟ کافی دیر بعد وہ خود کو بولنے پر امادہ کر پائی۔ وہ کیا کہیں گے ان کا قرض چڑھا ہوا ہے

بہادر خان کا بھی دس ہزار تھام کر بھی نہیں چکا سکتے تو مجھے پیش کر دیا بہادر خان کو ۔اس کی آنکھوں کا درد دیکھ کر اس کا دل بھر آیا وہ آخر زار و قطار رو پڑی اور سب سنا دیا اس کو بہت غصہ آ رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا ان ظالموں کا سر کچل دے۔

پرسوں رات جو لڑکی ایڈمنٹ ہوئی تھی اس کا کیا حال ہے اس کے پوچھنے پر زوبیہ نے اطمینان محسوس کیا کل جب سے وہ اس سے مل کر آئی تھی اسفندیار سے بات نہیں ہوئی تھی ان کو بتا چاہ رہی تھی سارے زمانے پر رعب رکھتے ہیں زرا اس کے شوہر کی کھنچائی تو کریں۔پہلے سے بہت بہتر کافی رکور کیا،اس نے۔ویری گڈ وہ ریسیور اٹھا کر جوابا بولا تو وہ فوراً بول پڑی مجھے آپ سے اس کے بارے میں ایک بات کرنی تھی۔ نمبر ملاتے اس کے ہاتھ بے ساختہ رک گئے۔

کیجئیے ریسیور واپس رکھ کر پوری متوجہ ہو گیا۔

پرسوں جو آدمی اسے لایا، تھا وہ اس کا شوہر تھا آپ کو معلوم ہے وہ مکار آدمی جھوٹ بول رہا تھا۔ کہ سیڑھوں سے گری۔اس بات یہ ہے کہ اس کی ماں اور اس نے مل کر اس بے چاری کو مارا ہے آپ نے نوٹ کیا اس کی آنکھ کیسے سوجی ہوئی تھی جسم پر جگہ جگہ نیل پڑے تھے وہ اس کی طرف دیکھ کر روانی سے بولتی چلی گئی۔وہ جو بہت سنجید گی

سے سن رہا تھا کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا۔

آپ یہ سب مجھے کیوں بتا، رہی ہیں یہ ان کا پرسنل معاملہ ہے اس سے ہمارا تعلق نہیں

تعلق کیسے نہیں ہے ابھی ہم اس کا علاج کریں گے پھر یہاں سے نکل کر اسی جہنم میں

جائے گی۔ پھر وہی ظلم ستم ایسے میں تو اس کو علاج کی بھی ضرورت نہیں ہے اچھا ہے

وہ بغیر علاج کے مر جائے۔ کم سے کم روز ستم سے جان تو چھوٹ جائے گی۔ وہ پہلی بار

بغیر نروس ہوئے اس، سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی تھی ویسے تو بہت

لکچر دیا جاتا، ہے اس کا درد اپنے آپ میں محسوس کریں۔

(مکمل ناول پڑھنے کے لیے فس بُک پیج ناول ہی ناول لائیک کریں)

آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں وہ پر سکون انداز میں بولا۔

آپ اس کے شوہر کو بولا کر زرا ڈانٹ ڈاپٹ کریں آپ کو پتہ ہے شوہر کی مار پیٹ کی

وجہ سے اس کا دو بار ابارشن ہو چکا ہے وہ جواباً سنجیدگی سے بولی

بات یہ ہے ڈاکٹر زوبیہ ہمارا کام ہے مریض کا علاج کرنا مانتا ہوں یہ اسپتال میں نے

خدمتِ خلق کے لئے بنایا ہے مگر حقوقِ نسواں بنانے کا کوئی پروگرام نے

اگر کسی کا شوہر اسے مارتا پیٹتا ہے تو اس کے گھریلوں معاملہ ہے اس میں ٹانگ اڑانے کا

آپ کو حق ہے نا مجھے آپ کو میرا یہی مشورہ ہے آپ پروفیشنل پر توجہ دیں

اس کو جواب دے کر دوبارہ فون کی طرف لپکا۔ جلتے بھنتے وہ کمرے سے باہر نکل گئی سب کتنی تعریف کرتے ڈاکٹر اسفندیار یہ سفاک بے رحم انسان ہیں۔۔ نہیں کرتے نہیں میں خود کرو گئی بات اس کے شوہر سے۔

رات کو وہ اس لڑکی جحت کے پاس آئی اس سے بھی یہی بات کی وہ بہت ڈر گئی آپ اس سے کچھ نہیں بولنا وہ مجھے اور مارے گا۔

ارے کیسے مارے گا میں اس کا دماغ درست کر دوں گی تم ایسے ڈرامت کرو بوڑھا کھوسٹ تو ہے وہ اب مار کے لیے ہاتھ اٹھائے ہاتھ پکڑ لینا۔ وہ جو شیلے انداز میں بول رہی تھی وہ روتے روتے ہنس پڑی۔

میں ایسا نہیں کر سکتی مگر لگتا ہے آپ اپنے شوہر سے کبھی نہیں ڈریں گی۔ وہ بے چارہ آپ سے ڈرے گا۔ وہ بے تکلفانہ انداز میں بات کرنے لگی۔ اسکی بے تکلفی سے کی بات اسے ایک منٹ کے لئے سن کر گئی۔ کیا میری زندگی میں کسی شخص، کی آمد ہو سکتی ہے۔ کوئی میرے لیے بھی اللہ نے بنایا ہو گا۔

اس نے اس کے شوہر کو تو کچھ زیادہ نہیں مگر دبے الفاظ میں بولا یہ بہت کمزور ہے اس کا بہت زیادہ خیال رکھا کریں اتنی خوبصورت اور کم عمر بیوی ملی ہے اس کی قدر کریں وہ اس کی تمام ہدایت سر جھکا کر سنتا رہا۔

اس نے اپنی پہلی تنخواہ ملنے پر خالہ امی کو پیسے بھی بھیجے تھے ایسا کر کے اسے بہت خوشی ہوئی ان کے گھر کے حالات اس سے پوشیدہ نہیں تھے ان پیسوں سے شہلا کے جہیز کے لیے کچھ نہ کچھ لے لیں گی۔اپنی محنت کی کمائی کسی اپنے پر خرچ کر کے اسے روحانی خوشی ہو رہی تھی۔

کافی دیر وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ تنگ آ کر ہسپتال سے باہر نکل آئی اتنے دنوں میں پہلی بار باہر آئی تھی اسے احساس ہوا کے کتنے ٹائم بعد کھلی فضا میں سانس لے رہی ہے موسم انجوائے کرتے ہوئے وہ کافی اگے نکل آئی تھی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سائم ان پھولوں کے پاس میری ایک تصویر لو ایک خوبصورت نسوانی آواز نے اسے چونکا دیا ارد گرد کوئی نظر نہیں آیا مگر آواز پاس سے آ رہی تھی۔اس نے اگے جھک کر دیکھا ڈھلان کے نیچے ایک لڑکی لڑکا کھڑے تھے اور کتنی تصویریں کھچواؤ گی میں تھک گیا لڑکا بے لڑکا بے ذاری سے بولا۔

تمھاری دوستوں کو یہاں کی فوٹو دیکھنے کا شوق ہے میں تمھاری ماڈلنگ سے تنگ آ گیا ہوں اب ردخت پر بندروں کی طرح لٹک کر رہ گئی ہے باقی پوز سب ہو گئے۔اچھا تم رہنے دو میں گلریز سے بنوالوں گی دو چار تصویریں کیا کھینچ لی دماغ خراب ہو گیا ہے وہ

جوابا بولی وہ جب سیدھی مڑی تو زوبیہ پر نظر پڑی زوبیہ دوستنہ مسکرا دی۔

ہیلو وہ لڑکے کو چھوڑ چھاڑ کر اس کے پاس آ گئی

ہیلو مسکرا کر اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا لڑکا تعجب سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

میں کشمالہ ہوں اور آپ؟ بڑے مزہب انداز میں انگلش میں سوال کیا۔ میں زوبیہ خلیل ہوں لڑکا بھی پہنچ آ

زوبیہ خلیل وہ نام دوہراتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔ آپ کا نام سنا سنا لگ رہا ہے۔

ہاں شاید تم نے کسی سے سنا ہو میں یہاں ہسپتال میں نئی اپائنٹ ہوئی ہوں وہ مسکرا دی۔

اوا چھا تو آپ ہمارے علاقے کی نئی لیڈی ڈاکٹر ہیں وہ خوش ہو کر بولی اس نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

ویلکم ڈاکٹر زوبیہ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔

بائی داوے میں سائم لڑکا تھوڑا روکھے انداز مر بولا شاید اتنی دیر نظر انداز کرنا اسے برا لگا۔

ہاں یہ میرا چھوٹا بھائی ہے بے چارے کو جلنے کی پرانی بیماری ہے۔ وہ سائم کی طرف دیکھتے مسکرا کر بولی انداز سراسر چڑانے والا تھا۔

ہاں یہ موٹی میری بڑی بہن ہے وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

اب تم لوگ لڑنا مت شروع کر دینا۔

کہاں پڑھتی ہو تم؟

میں ڈاؤ میڈیکل کالج میں پڑھتی ہوں فرسٹ ائیر میں ہوں

اوڈ یا یم سی میں زبردست میں نے بھی وہیں سے کیا وہ اپنے تعلیمی ادارے کا نام سن کر خوش ہو گئی سائم بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔

آپ کراچی سے آئی ہیں وہ حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔

نہیں آئی تو پشاور سے ہوں پہلے کراچی میں رہتی تھی۔ میرے پرینٹس کی ڈیتھ ہو گئی ہے تو خالہ کے پاس پشاور رہتی ہوں وہی رٹارٹ جواب جو لوگوں کو دیا کرتی تھی ۔آپ کو پڑھی کے لیے بھیجا ہو گا

فادر کی ڈیتھ ہو گئی ہے بس امی ہیں لالہ ہیں بی بی جان ہیں۔ ان تینوں کو ہمیں پڑھانے لکھانے کا بہت شوق ہے۔ کشمالہ سنجیدگی سے بولی۔ چیونگم کھائیں گی آپ؟ دونوں کو افسردہ دیکھ کر سائم نے معلوم بالنا چاہا۔ کشمالہ شاید اپنے بابا کو بہت مس کرتی تھی۔ دونوں بہن بھائی زندہ دل ہنس مکھ تھے۔ زوبیہ کو بہت دن بعد مختلف کمپنی ملی۔ اس لیے اسے مزہ آرہا تھا۔ دو ڈھائی گھنٹے گزار دیے ان کے ساتھ۔ کیسے گزر گئے پتہ نہیں چلا۔

www.neweramagazine.com

ان سے رخصت ہو کر واپس ہسپتال آئی دیر تک ان بہن بھائی کی شرارتیں سوچ کر انجوائے کرتی رہی۔

اگلے روز ڈاکٹر شہزور کے ساتھ بچوں کی وارڈ کا راؤنڈ لگا کر واپس آ رہی تھی۔ جب اسے اطلاع ملی کے اس سے ملنے کوئی آیا ہے۔

کون آگیا؟

وہ حیران پریشان اپنے کمرے کی طرف آئی۔ ڈاکٹر شہزور اپنے روم چلے گئے۔

ارے تم لوگ؟؟؟ سائم اور کشمالہ کو دیکھ کر خوش تو ہوئی مگر ڈاکٹر اسفندیار کا خوف بھی لاحق تھا۔

لگتا ہے آپ ہمیں دیکھ کر خوش نہیں ہوئی۔ کشمالہ نے اس کے تاثرات کا جائزہ لیتے شکوہ کیا۔

نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہوں مسلہ یہ ہے ہسپتال میں ڈسپلن کچھ ضرورت سے زیادہ ہیں ڈیوٹی ٹائم میل جول پر سخت پابندی ہے۔

اف اتنی سختی

ارے یہ تو کچھ بھی نہیں تم ایک دن یہاں گزار کر دیکھو ساری سختیاں بھول نہ جاؤ تو میرا نام زوبیہ نہیں۔وہ مزے سے بولی۔

یہ تو کوئی بات نہ ہوئی آپ کسی سے مل بھی نہیں سکتی۔آپ لوگ ایڈ منسٹیشن کے خلاف پروٹسٹ کیوں نہیں کرتے کشمالہ نے اسے اکسایا

بچوں ابھی آپ لوگوں نے ہمارے بک باس کو نہیں دیکھا اس لیے بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہو ہٹلر کو جانتے ہو؟ دونوں نے گردن ہلادی بس اس سے جا کر سلسلہ نصب ملتا ہے۔ڈاکٹر اسفندیار اس نے ڈرانے والے انداز میں بتایا کشمالہ ہنس پڑی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اتنے خطرناک آدمی ہیں۔؟

صرف خطرناک نہیں وحشت ناک دہشت ناک بہت کچھ بس سمجھ لو جو بھی ناک ہیں سب وہی ہیں۔اسی لئے تم اب چلتے نظر آؤ دو گھنٹے بعد میری ڈیوٹی اف ہو گی۔اگر تم لوگ فارغ ہو تو کل والی جگہ ملتے ہیں۔۔

یہاں آنے کے بعد کسی کو اسفندیار کے بارے میں کمنٹس دیے تھے۔اور اپنی باتوں کو انجوائے بھی کیا۔ان دونوں سے مل کر بچگانہ باتیں کر کے اچھا لگ رہا تھا دو گھنٹے بعد دونوں سے ملنے کے اتفاق کرتے مسکرا کر اٹھ گئے۔آپ کی اسفندیار سے کوئی پرابلم ہے اس نے چونک کر نفی میں نہیں سر ہلایا

پھر آپ بار بار گھڑی کیوں دیکھ رہی ہیں وہ لوگ جنرل وارڈ میں کھڑے تھے اس نے مریضوں کے سامنے سخت لہجے میں کہا تھا حالانکہ اس نے چپکے سے واچ دیکھی تھی ۔مگر انہوں کیسے پتہ چل گیا تھا وہ تو ڈاکٹر شہاب کو کچھ سمجھا رہا تھا رضیہ بھی پاس کھڑی تھی

کیا بتایا ہے ابھی میں نے کون سی میڈی دینی ہے رات وہی انداز جو سکول میں سر کرتے ہیں اب خیر وہ اتنی بھی غیر دماغی سے نہیں کھڑی تھی بے شک اسے بچوں سے ملنے کی جلدی تھی مگر اس کی تمام باتیں توجہ سے سنی تھی اس کے منہ سے درست دوا کا نام سن کر اس کا غصہ کم ہوا۔تینوں چلتے کوریڈور میں آئے اسفندیار نے سر گھما کر بولا

آپ کی ڈیوٹی ختم تھی مگر پھر بھی مجھے یہ انداز پسند نہیں میرے سامنے بار بار گھڑی دیکھ کر بزی کے تاثرات دیں مجھے غصہ آتا ہے۔آئی ہوپ کے اب احتیاط کریں گی۔

اس کا موڈ بری طرح خراب ہو گیا گھڑی کیا دیکھ لی اتنی باتیں سنا دی اس سے پہلے کب اس نے وقت کی پرواکی تھی۔الٹا وہ دوسروں کے حصے کی ڈیوٹی دے دیا کرتی تھی ۔کبھی تعریف نہیں کی۔ان سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو کہیں جانے کا موڈ نہیں تھا وہ گھنٹہ لیٹ ہو گئی تھی اس یقین نہیں تھا وہ لوگ وہاں انتظار کر رہے ہوں گے۔یا چلے گئے ہوں گے۔مگر پھر بھی اسے جانا تو تھا۔بڑی جلدی آ گئی اتنی جلدی آنے کی کیا ضرورت

تھی سائم طنزیہ لہجے میں بولا۔ وہ وارننگ دینے والے انداز میں انگلی اٹھا کر بولی

پہلے ہی تم دونوں کی وجہ سے ڈانٹ کھائی ہے

آپ کو ڈانٹ پڑی؟ کس نے ڈانٹا؟

دونوں بضد ہوئے اس نے سب کہہ سنایا اب میری توبہ جو گھڑی پہنوں

بہت فضول آدمی ہے اتنی سی بات پر طوفان کھڑا کر دیا کشمالہ نے کہا تو وہ منہ بگاڑ کر بولی

چھوڑ دفع کرو اس زکر کو کیوں خون جلائیں۔

(مکمل ناول پڑھنے کے لیے فس بُک پیج ناول ہی ناول لائیک کریں)

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کشمالہ گھر سے چیز سینڈوچ اور تھرماس میں کافی لائی تھی باتیں کرتے تینوں نے بھرپور انصاف کیا۔

جحت کو اپنے روم پا کر اسے بہت خوشی ہوئی

کیسی ہو تم؟

میں تم سے ملنے آنا چاہ رہی تھی مگر سچ پوچھو تو تماری ساس اور شوہر سے ڈر لگتا ہے وہ

اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بیٹھاتے ہوئے بولی۔ مجھے سمجھا رہی تھی شوہر سے مت ڈرا

کر و مارے تو ہاتھ پکڑ لو خود اتنی ڈرپوک ہیں وہ شکایتی انداز میں بولی میرا دیوار یہاں مالی

کا کام کرتا ہے اسی لیے کھانا دینے کا بہانہ کر کے آئی ہوں۔ ورنہ مجھے گھر سے باہر قدم نہیں رکھنے دیتے دیور بہت اچھا ہے میرا خیال رکھتا ہے اس میں بتا کے آئی ہوں میں آپ سے ملنے جا، رہی ہوں تم نے پہلے نہیں بتایا تمارا دیور یہاں کام کرتا ہے ہمت کر کے اسی کے ساتھ آجاتی

وہ شرمندگی سے بولی ہاں یہ بتانا مجھے یاد نہیں رہا

تم آرام سے بیٹھو یہ بتاؤ کیا کھاؤ، گی

کچھ نہیں بس آپ سے ملنے آئی ہوں آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگتا ہے جو میں کسی سے نہیں کر پاتی آپ سے کر لیتی ہوں آپ بہت پیار سے سن لیتی ہیں۔

اس کے کہنے پر وہ تھوڑی افسردہ سی ہو گئی۔

ہاں بس سن لیتی ہوں یا لمبی تقریر جھاڑ دیتی ہوں مزہ تب ہے عملی مدد بھی کروں کچھ میرے لیے یہی بہت ہے میرے پاس تو ایسا بھی کوئی نہیں جس سے دل کی بات کر سکوں

اب میں چلتی ہوں دیر ہو گئی تو اماں نہیں چھوڑے گی۔

بس دس منٹ ہی بیٹھ کر اٹھ گئی۔ اسے رخصت کرنے وہ ہسپتال کے گیٹ تک آئی۔ اس کے دیور سے بھی سلام دعا ہوئی اس کے جانے کے بعد کتنی دیر تک اس کے

زہین میں اسی کی آواز گنجتی رہی۔

دن کو مارتا ہے رات اچانک اسے مجھ پر پیار آ جاتا، ہے میرا بس چلے ایسی جگہ چلی جاؤں جہاں اسکی کبھی شکل تک نظر نہ آئے۔اپنے زخم دکھاتے اسے کس طرح روتے بات کی تھی۔وہ ہسپتال مریضوں میں مصروف کے باوجود اس کی طرف دھیان رہتا پتہ نہیں کیوں ہر بار حجت کو دیکھ کر چودہ پندرہ سال کی زوبیہ کیوں یاد آ جاتی حالانکہ دونوں کے حالات میں زمین آسمان کا فرق تھا شاید ایک بات زوبیہ اور حجت میں مشترکہ تھی زندگی سے مایوس اندر ہی اندر مرنا کسی سے کچھ نہیں کہنا حجت کا جسم زخمی تھا اس کو لگا اس کی روح زخمی ہو گئی۔

بہادر کو میرے کردار پر شک ہے وہ سمجھتا ہے میں آوادہ بد چلن ہوں صاف کپڑے پہن لوں تو گالیاں دیتا ہے کے کسے دکھانے کے لیے سجی ہے۔

اب کے بار کلاس فیلو کے ساتھ چکر چلا یا پتہ نہیں ایسی لڑکیوں کی طرف مرد کیسے کھنچے چلے آتے ہیں۔

زوبیہ کے برسوں پرانے ذخم پھر سے تازہ ہونے لگے تھے۔اس رات وہ تکیے میں منہ چھپا کر گھنٹوں روتی رہی۔

تین چار دن ہو گئے تھے اسے کشمالہ اور سائم سے ملے ہوئے شاید وہ لوگ واپس چلے گئے ہوں مگر تھوڑی ہی دیر میں کمرے کی کھڑی سے کشمالہ کو آتا دیکھ کر اس کی سوچ غلط ثابت ہوئی۔اؤ بھئی میں سمجھی تم لوگ چلے گئے ہو گئے وہ باہر نکل کر انہیں بولی۔

گے نہیں کل جانے والے ہیں اسی لیے سوچا جانے سے پہلے آپ سے مل لیں پہلے ہسپتال گئی پتہ چلا آپ کی نائٹ ڈیوٹی تھی آپ آرام کر رہی ہیں وہ جلدی جلدی بول رہی تھی جیسے بھاگنے کی تیاری ہو۔

چلو اندر چل کر بیٹھتے ہیں اور آج سائم نظر نہیں آ رہا وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔سائم گھر ہے بول رہا تھا آپ نے آنے سے منع کر دیا ہے۔آج آپ کو ہمارے ساتھ لنچ کرنا پڑے گا کوئی بہنہ نہیں چلے گا ہم نے امی سے کھانے کا اہتمام کروالیا ہے۔اگر آپ اب نہیں آئی تو پوزیشن گرے گی میری اور بی بی جان جو انتظار کر رہی ہیں بولیں گی تمہاری زوبیہ نخریلی ہے

مجھے جانے میں اعتراض نہیں مگر ایسے جانا اچھا نہیں لگتا ناں تم لوگ اگلی بار اؤ گے تو ضرور آؤں گی۔کشمالہ اس کا ہاتھ جھٹک کر مڑ گئی

ارے بات تو سنو ر کو تو سہی وہ اسے آوازیں دے رہی وہ اندھا دھند بھاگی چلی گئی۔

اچھا میں آ رہی ہوں وہ شکت خور لہجے میں بولی کشمالہ اچھل کر یاہو نعرہ لگانے لگی۔

پتہ تھا مجھے آپ کبھی بھی میری بات نہیں ٹال سکتے۔یو آر سو سویٹ زوبیہ آپی اچھا مکھن لگانے کی ضرورت نہیں منہ اٹھا کر کسی کے گھر جانا اسے بالکل پسند نہیں تھا۔ آپ کو ڈریس چینج کرنا ہے تو کر لیں وہ چادر اوڑھ کر نفی میں سر ہلا کر گیٹ سے باہر آ گئی۔دونوں کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی سٹاٹ کر دی

تمہارے گھر کون رہتا ہے ؟اسے نئے لوگوں سے ملنے میں بہت ہچکچاہٹ تھی۔صرف سائم ممی بیبی جان اور لالہ لالہ اس ٹائم گھر نہیں ہوتے۔اتنے میں گھر پہنچ آیا،وہ اس کے ساتھ چلتی گھر کی تعریف کرتی گئی گاڑی کی آواز سنتے ہی سائم نا جانے کہاں سے نمودار ہو گیا۔شکر آپ آ گئی ورنہ امہ بی جان کے سامنے ہماری انسلٹ ہو جاتی۔وہ بھی کشمالہ کی طرح اس کے آنے سے بے تحاشا خوش تھا۔وہ ایسے کر رہے تھے جیسے برسوں سے شناسائی ہو۔بی جان یہ دیکھیں یہ ہیں آپی زوبیہ ہماری نئی فرینڈ ایک خاتون بھاری جسم وہ بی جان تھی کشمالہ کی طرح نیلی آنکھوں والی اس کی امیڈ مپل والی۔بہت تعریف کر رہے تھے بی جان نے پیار سے گلے لگا کر کہا۔امی بھی گرم جوشی سے مل کر بیٹھنے کو بولا۔اس نے اب تک کتابوں میں پڑھا تھا پہاڑوں میں رہنے والوں کے دل بھی پہاڑ جیسے کھولے بڑے ہوتے اب ہع کوئی اتنی محبت سے ملا اسے تجربہ ہو گیا حیران رہ گئی۔ ڈاکٹرنی کہہ کر اسے عزت دی وہ ان لوگوں کی محبت اپنائیت سے بہت متاثر ہوئی

اسفی کو بہت شوق ہے اسکی بھتیجی ڈاکٹر بنے ورنہ میں نے تو کہا گھر میں ایک ڈاکٹر کافی ہے اتنے میں لاونج کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔

اسلام وعلیکم اتنی مانوس آواز اس نے سر اٹھا کر دیکھا دل چاہا کہ غائب ہو جائے۔

اچھے وقت پر آئے اسفی لنچ گھر ہی کر جانا۔اسے دیکھ کر جو حیرت ہوئی اسفندیار نے اسے چھپا بھی لیا تھا۔پہلے شرمندگی کی لپیٹ میں تھی پھر کشمالہ اور سائم پر بہت غصہ آیا۔

اگر یہ مزاق تھا تو انتہائی بیہودہ تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا ان دونوں کے سر پھوڑ دے وہ ہاتھ مل رہی تھی۔جبکہ اسے نظرانداز کر کے بی جان کی بات کا جواب دینے لگا۔

آپ کھانا لگوائیں مجھے اسٹڈی میں کچھ کام ہے وہ کشمالہ کی امی گیتی سے کہہ کر سیڑھیاں چڑھ گیا۔

تم آرام سے بیٹھو میں کھانا لگوا کر آتی ہوں۔میں لنچ کے لیے ضرور رکتی مگر میری ڈیوٹی شروع ہونے والی ہے۔یہ تو کشمالہ اچانک آئی اور بضد ہوئی کے اس کے ساتھ چلوں تو کھڑے کھڑے آ گئی۔تکلف کی کوئی بات نہیں میں پھر آوں گی۔

وہ فورا اٹھ گئی کشمالہ نے اس کے جھوٹ پر کچھ کہنے کو منہ کھولا پھر خاموش ہو گئی۔

ارے پہلی بار آئی ہو ایسے بنا کچھ کھائے کبھی نہیں جانے دوں گی۔بی جان ناراض

ہوئی۔

تم یہاں مہمان ہو اصولا سائم کشمالہ سے پہلے تمیں انوائیٹ کرن چاہئے تھا۔

آج اجازت دے دیں پلیز ڈیوٹی کا مسلہ نہیں ہوتا تو میں ضرور رکتی۔ سائم کشمالہ خاموشی سے بات چیت سن رہے تھے بی جان نے مزید اصرار نہیں کیا مگر گیتی کو اشارہ کیا جو زوبیہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکا

چلو جیسے تماری مرضی اس نے یہ سن کر چین کا سانس لیا۔ وہ لاونج کے دروازے سے نکل رہی تھی جب گیتی آرا واپس آئی۔ ہاتھ میں ڈبہ تھا اس نے بی جان کو پکڑ یا۔

یہ لو ہماری طرف سے چھوٹا سا تحفہ۔ بی جان نے ڈبہ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ یہاں سے کوئی بھی تحفہ وصول نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر انکار کام نہیں آیا مجبوراً اس نے وہ ان کے ہاتھوں سے لے لیا۔ دونوں خواتین مہمانوں نواز خوش اخلاق تھی۔ مگر اسے اب مزید ایک لمحہ بھی نہیں رکنا تھا۔ سائم اور کشمالہ بھی ساتھ باہر نکل آئے۔ ان کو آتا دیکھ کر ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ وہ تیزی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ سائم کشمالہ بھی ساتھ بیٹھ گئے۔ اس کی ناراضگی کے تاثرات انہیں کچھ بھی کہنے نہیں دے رہے تھے۔ انہیں اندازہ تھا دونوں سے بری طرح ناراض ہے۔ ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ

سے خاموشی اختیار رکھی۔ گاڑی ہسپتال کے گیٹ رکی وہ دونوں بھی ساتھ اتر گئے۔

زوبیہ آپی آپ۔۔۔ کشمالہ نے کچھ کہنا چاہا اس کی بات سنے بنا سخت لہجے میں بولی۔

تم لوگ مزاق کرتے ہو میں انجوائے کرتی ہوں مگر مزاق اور بدتمیزی میں فرق ہوتا ہے میں تم لوگوں کی بدتمیزی معاف نہیں کر سکتی۔ بات نکمل کر کے وہ گیٹ سے اندر گھس گئی۔

پلیز زوبیہ آپی ہماری بات سنیں سچ میں آپ کو ہاٹ کرنا مقصد نہیں تھا سائم ان کے پیچھے ایا اور تلخی لہجے میں بولا

میرا اور اسفند کا تعلق مالک اور ملازم کا ہے تم لوگوں کی وجہ سے میری عزت کیا رہ گئی۔ شاید وہ سوچ رہے ہوں کے میں جاب میں فائدے اسانیاں کرنے کے لیے ان کی فیملی سے تعلق جان بوجھ کر رکھا

It is too much saim

میں اتنی انسلٹ برداشت نہیں کر سکتی۔ سخت انداز میں کہہ کر ہسپتال میں چلی گئی

کمرے میں آنے کے بعد بھی وہ بہت دیر غصے کو کنٹرول کرتی رہی۔ خود پر بھی غصہ کے ان کی باتوں میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کا دیا شیشوں والا سرخ جوڑا بے دلی سے الماری میں رکھ دیا۔ وہ سرخ پہنتی نہیں تھی اس کے پاس سب ہلکے کلر تھے عرصہ ہوا

اس نے خود پر توجہ دینی چھوڑ دی تھی کئی سالوں سے لپ اسٹک کو بھی نہیں چھوا ابھی ہی اچھی ڈاکٹر بننے کی کوشش کر رہی تھی ان کے فصول مزاق نے پانی پھیر دیا۔اسے کبھی اندازہ نہیں تھا اس کے بھتیجا بھتیجی ہیں

رات کو اس کا سامنا اسفندیار سے ہوا وہ ڈرتی ہی رہی۔کہیں وہ کچھ کہہ نہ دیں۔ان ڈائریکٹ کسی اور پر کر ہی بات کہہ دیں مگر وہ بالکل کچھ نہیں بولا۔وہ روٹین کا انداز تھا اسفندیار نے اس بات کو نظرانداز کر دیا مگر اس کی شرمندگی اپنی جگہ برقرار تھی۔

اگلے دن ہسپتال میں کشمالہ میں دیکھ کر اس نے سوائے سلام کا جواب دینے کے کوئی بات نہیں کی۔وہ اپنے سامنے بیٹھی مریضا کا بی پی چیک کر رہی تھی۔کشمالہ کرسی پر بیٹھ کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔دوا کی پرچی پکڑا کر نرس سے دوسری مریضہ کو بلانے کا کہتی بی پی اپیرٹس سائیڈ پر رکھنے لگی۔

آپ ہم لوگوں سے ناراض ہو گئیں۔اب کوئی بات سننے کو بھی تیار نہیں بات بس اتنی سی ہے شروع میں ہم نے جان کر اپ کو لالہ کے بارے میں نہیں بتایا آپ ان کے بارے میں جو کمنٹس دیتی ہم انجوائے کرتے مگر کل ہمارا مقصد لالہ کے سامنے آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا وہ جب صبح گھر سے چلے جائیں تو واپس نہیں آتے اس ٹائم ہمارا

دل تھا آپ ہمارے گھر آئیں اور وہیں ہم لالہ کے بارے میں بھی بتاتے مگر بالکل اچانک غیر ارادہ طور پر لالہ آ گئے آپ پتہ نہیں کیوں اتنی کو نیٹس ہو رہی لالہ کو ہماری دوستی سے کیا اعتراض ہو گا۔اور وہ اتنے تنگ نظر بھی نہیں ہیں۔ کہ آپ کو وہاں دیکھ کر کوئی الٹی سیدھی سوچی ہو۔ وہ بہت زہین آدمی ہیں اسطرح کی فصول باتیں نہیں سوچتے۔

دوسری مریضہ کے انے تک وہ جلدی جلدی وضاحت کرنے میں مصروف تھی۔

وہ اسکی بات کا جواب دیے بنا دوسری مریضہ سے مخاطب ہو چکی تھی۔وہ گود میں لیے بچے کی بیماری کا بتا رہی تھا۔اسکو دوائی مشورہ دیتے ہوئے کشمالہ کی طرف دیکھا جو اس کے رویے سے مایوس ہو کر اٹھ گئی تھی۔

کشمالہ میں تم لوگوں سے ناراض نہیں وہ ایک دم واپس مڑی اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی واقعی۔۔۔

ہاں لیکن اب تم جاؤ اس وقت مریضوں کا رش لگا ہے وہ خوشی خوشی گردن ہلاتی چلی گئی

۔

آپ نے بچوں کو خراب کر دیا وہ بیڈ نمبر سات والا سسٹر سے انجکشن لگوانے کو تیار نہیں

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک ہی رٹ ڈاکٹر زوبیہ سے لگواؤں گا۔ڈاکٹر تاجدار نے مخاطب کیا جو فلحال فارغ تھے ۔جو اچھا انسان نہ ہو وہ اچھا ڈاکٹر کیسے بن سکتا ہے ڈاکٹر شہزور نے باتوں باتوں میں ایک روز یہ بات کہی تھی ان کی یہ بات انہوں نے گرہ باندھ لی ڈاکٹر خوش اخلاق ہو ہمدرد ہو تو مریض کی آدھی بیماری باتوں سے رفع ہو جاتی ہے۔وہ اسی چیز پر عمل کی کوشش کر رہی تھی۔پہلی بار گل خان پر کی تھی جس کی ٹانگ کٹ گئی تھی وہ زندگی سے بے زار ہو چکا تھا اس سے بہت پیار سے باتیں کر کے امادہ کیا تھا اب وہ بات سننے لگ گیا تھا وہ بہت دن ہسپتال رہ کر جب جانے لگا تو دوستی کر چکا تھا۔اس کے ماں باپ بہت شکر گزار تھے ۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جانے سے پہلے اسکی ماں نے اپنے ہاتھوں سے کڑھائی کیا ہوا دوپٹہ اس بطورِ گفٹ دیا جو اس نے یہ سوچ کر رکھ لیا کے ان کا دل نہ ٹوٹ جائے اس کے بعد خاص طور پر بچوں کے ساتھ ایسا کرنا شروع کر دیا۔بچے سسٹر رضیہ کو نہیں پسند کرتے ڈاکٹر تاجدار کو سخت لب ولہجہ بھی انہوں ناگوار گزرتا تھا زوبیہ ان سب کی پسندیدہ تھی وہ انہیں چاکلیٹ دیتی مزے کی باتیں کرتی اور وہ بدلے میں آرام سے دوا کھا لیتے۔انجکشن لگوا لیتے ڈرپ چڑھوا لیتے۔

وہ وارڈ میں داخل ہوئی کونے والے بیڈ پر ڈاکٹر شہزور اور اسفند کھڑے تھے دونوں کچھ

ڈسکس کر رہے تھے وہ ایک اور بچے کو انجکشن لگاتے ان کو بھی دیکھ سن رہی تھی وہ دونوں باتیں کرتے باہر نکل گئے تو بچے کو سمجھنے لگی میں نہیں ہوں گی تو انجکشن نہیں لگواؤ گے یہ تو بہت بری بات ہے۔وہ جب باہر نکلی تو آواز آئی کے اب بہت دیر ہو چکی کچھ نہیں اس کا ہو سکتا شہزور ڈاکٹر اسفندیار کو بول رہا تھا وہ بھی جواباً کچھ بولا جو سنائی نہیں دیا کسی کو زندگی ہارتا دیکھ کر بہت دکھی ہوتی آج سن کر دکھی ہوئی اس نے ڈاکٹر آصفہ سے اس بارے میں بات کی تو انہوں نے تسلی دی کے آپ نئی ہیں اس لیے بہت احساس ہو کر سوچتی ہو آہستہ آہستہ عادی ہو جاؤ گی۔یہ ہمارا پیشہ ہے زندگی موت ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیے۔جس کا وقت پورا ہو ہم اسے کیسے بچا سکتے ہیں۔

کافی دن ہو گئے جحت کی کوئی خیر خبر نہیں تھی وہ اس کے گھر جانے کا فیصلہ کر کے اس کے دیور کے پاس گئی وہ اس کی بات سے حیران ہوا اسے گھر لے آیا۔جحت تو خوش تھی ہی ساس بھی اس کی اٹھ کھڑی ہوئی آخر کو ڈاکٹر خود چل کر ان کے گھر آئی تھی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

اس کی ساس اپنی بیماریوں کا بتانے لگی تو اس نے بولا آپ کے بیٹے کے ہاتھ دوا بھیج دوں گی ٹھیک ہو جاؤ گے حالانکہ اسکی ساس کو دیکھ کر اس کا بی پی ہائی ہو رہا تھا جحت بس دیکھ

کر مسکرائے جا رہی تھی اکیلے بات کا موقع نہیں ملا تھا مگر ساس سے اچھی بات چیت کی وجہ سے تسلی میں تھی کہ اب جب چاہے جحت سے ملنے آ سکے گی۔ ہسپتال جاتے ہی اس نے شہباز کو دوائی دی اماں کو دے۔

(مکمل ناول پڑھنے کے لیے فس بُک پیج ناول ہی ناول لائیک کریں)

رمضان شروع ہو چکا تھا زوبیہ کو خالہ امی کے گھر گزارا رمضان اور عید یاد آ رہی تھی تھوڑی افسردہ تھی۔ڈاکٹر آصفہ عید کی شاپنگ کے لیے بازار جا رہی تھی اسے بھی ساتھ جانے کی دعوت دی تو اس نے منع کر دیا۔کافی جوڑے ہیں جو بغیر پہنے رکھے ہیں تم مجھے کوئی پرانی روح لگتی ہو نہ پہنانے کا شوق نہ سجنے سوارنے کا نہ جیولری کا شادی کا ارادہ بھی ہے کہ نہیں۔ایسے تو مشکل ہی کوئی پسند کرے۔

کیا پتہ کوئی پسند کر ہی لے کھسکے ہوؤں کی کمی تھوڑا ہے دنیا میں۔وہ اسے چھوڑ کر چلی گئیں واپسی پر اس کے لیے بھی ایک سوٹ لائی

یہ میری طرف سے عیدی کا گفٹ سارے سٹاف کو عیدی دیتی ہوں تمہیں پیسوں کی جگہ کپڑے دے رہی ہوں اس نے رکھ لیا

سب سے سن چکی تھی کہ اسفندیار سب کو ایک بار افطاری ڈینز دیتا ہے سال بھر میں یہی اسکی طرف سے دعوت ہوتی تھی۔وہ بھی اس کے گھر ڈاکٹر آسفہ کسی بات پر اسے

www.neweramagazine.com

ایسے بولی جیسے اسے پہلے سے سب پتہ ہے مگر اس کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے

نائٹ ڈیوٹی کی وجہ سے ڈاکٹر شہاب اور سسٹر رضیہ ہسپتال میں سحری کرتے تھے

شہاب رضیہ سے بولا

پرسوں افطار پارٹی ہے اسفند یار کے ہاں ویسے تو وہ خود سب کو انوائیٹ کریں گے کوئی رہ نہ جائے مجھے بھی یاد دہانی کروانے کا بولا تھا۔ہاں مجھے ڈاکٹر تاجدار نے بتادیا، تھا اسی ایک دن ڈاکٹر اسفند یار ہنسی مذاق کرتے ہیں۔وہ چپ چاپ ان کی باتیں سن رہی تھی وہ پیچھے سال کی افطار پارٹی کو یاد کر رہی تھی اگلے روز کافی بار اس کی اسفند سے ملاقات ہوئی مگر اس نے انوائیٹ نہیں کیا ایک بار بھی۔اسے بہت انسلٹ محسوس ہوئی اگر کسی اور ملے کو بولنا بھول جاتا تو وہ بہت تھے مگر ڈاکٹر تو چھ تھے ان میں خواتین بس دو۔اس نے سوچا ہوگا جو لڑکی میرے گھر بھتیجا بتیجی سے دوستی کر کے آسکتی اسے بلانے کی کیا ضرورت ظاہری بات ہے وہ آہی جائے گی بلکہ دن گن کر انتظار کر رہی ہوگی۔

ہفتے کے دن اس نے اکیلے افطار کرتے جل کر سوچا اس نے بیماری کا نہانہ کر کے ہاف ڈے لے لی تھی اس نے رات کھانا نہیں کھایا عشاء تراویح پڑھ کر سونے لگی آنسو چپ چاپ نکل رہے تھے

کیسی طبعیت ہے اب آپ کی دوسرے روز شہزور کے روم آئی تو وہاں اسفند یار بھی تھا

ڈاکٹر شہزور نے فوراطبعیت پوچھی۔ بتہر ہوں بس اب کھانسی نازلہ ہے۔ کھانسی زکام تو تھا ہی اس لیے آرام سے جھوٹ بول سکی۔ تھوڑا اور آرام کر لیتی یہ نہ ہو پھر لمبی پڑ جائیں۔ اسفند ایک نظر ڈال کر پیپر دیکھنے لگا، جیسے اس کو کوئی پروا، نہیں۔ وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔ وہ تواقع کر رہی تھی کل نہ آنے کی وجہ اسفند پوچھے گا اس نے سوچا تھا کہ بول دے گی بن بلائے مہمان جانے کا کوئی شوق نہیں مگر اس کی سوچوں پر پانی پھر گیا کل پیدا ہوئی خود ترسی نے آک ڈپریشن کا روپ دھار لیا تھا

NEW ERA MAGAZINE .com

عید کے دن ڈاکٹر شہزور نے ڈاکٹر آصفہ نے اپنے گھر میں عید، کی دعوت دی تھی مگر جب عید کی نماز، کے بعد گل خان اپنے باپ کے ساتھ اس سے عید ملنے آیا اور گھر جانے کا اسرار کرنے لگا تو وہ ان کے گھر چلی گئی۔ جھوٹے سے گھر میں ان کی بے بے کے ہاتھ کا کھانا پیٹ بھر کر کھایا۔ عید سے پہلے ہی اس نے ڈاکٹر تاجدار سے اس نے گل خان کے لئے سوٹ منگوایا تھا۔ مگر اب گھر آئی تو سب اس کے بہن بھائیوں کو عیدی دی۔ وہ ایسا کر کے بہت خوش تھی۔ کافی سارا وقت وہاں گزار کر وہ جحت کے گھر گی۔ اس کی ساس کو کھانسی سے افاقہ ہوا وہ بہت خوش تھی۔ بہت خوشی کا اظہار کیا اور

جاتے اس نے حجت کے ہاتھ پر ہزار روپے رکھے وہ لیتے ہچکچا رہی تھی۔ یہ تمارے ہیں کسی کو نہیں دینا جو چیز چاہیئے ہو لے لینا۔ بڑی بہن کی طرح سمجھایا رات اس کی ڈیوٹی تھی ایسے میں اسے ڈاکٹر آصفہ کے ہاں جانے کا ٹائم نہیں ملا یہ بھی تھا کہ وہ برا نہ منا جائیں عید کے دوسرے دن اس کے ہاں ڈنر تھا اس نے سوچا ناشتے سے فارغ ہو کر ان کے ہاں چلی جائے گی۔

دن کے گیارہ بج رہے تھے جب ہسپتال کے چوکیدار کو لے کر ان کے گھر آ گئی تھی ۔حالانکہ ان کا گھر بالکل پاس تھا مگر پھر بھی پہلی بار گئ تھی کافی بار انہوں نے شکوہ بھی کیا۔ شام میں پہننے کے لئے شاپر میں انہی کا دیا ہوا، سوٹ لائی تھی۔ کتنے پیار سے انہوں نے آج انوائٹ کیا تھا ضروری نہیں ہر پڑھا لکھا معزز ہو اس نے ان کے پر خلوص انداز پر اس نے سوچا تھا۔

گیٹ پر بیل دینے کے ساتھ اس نے چوکیدار کو واپس بھیج دیا۔ گیٹ کھلتے ساتھ جو اس کو نظر آیا اس کی موجودگی کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی

اسلام علیکم وہ بھی تھوک نکلتے وعلیکم اسلام

دعوت تو شام میں ہے وہ بہت سنجیدگی سے بولا

اس کا موڈ ایک دم خراب ہو گیا اس کے چہرے پر سنجیدگی مگر منہ میں طنزیہ چمک دیکھی جا سکتی تھی دل تو اس کا چاہا بغیر بولے پلٹ جائے مگر دماغ نے دل کو عقل فراہم کی

یہ اس کا گھر نہیں جو شرمندگی ہو یہاں کے لوگوں نے بہت پیار سے بلوایا ہے ایک بار نہیں کئی بار

کون ہے اسفند اندر سے ڈاکٹر شہزور کی آواز آئی ایک دم گیٹ سے ہٹ کر اسے رستہ دیا۔

آج تو بڑے لوگ ہمارے گھر آئے ہوئے ہیں۔ڈاکٹر شہزور شطرنج بچھائے بیٹھے تھے کھڑے ہو گئے۔آصفہ دیکھو کون آیا ہے۔وہ شاید کچن میں تھی۔فوراً آ گی۔ارے زوبیہ انہوں نے آگے بڑھ کر پرجوش گلے لگایا کل کتنا انتظار کیا ہم لوگوں نے تمارا۔ اس نے ایک نظر سامنے بیٹھے اسفند پر ڈالی کل میں گل خان کے ساتھ گئ تھی اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ تم بیٹھو میں آئی چولہے پر پیاز جل نہ جائے۔میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ کچن میں پھیلا سامان بتا رہا تھا دعوت کی تیاریاں ہو رہی ہیں ایک ملازمہ ان کی اپنی تھی ایک اسفند اپنے گھر سے مدد کے لیے لایا تھا۔میں آپ کی کچھ ہلیپ کروں ہاتھ پر ہاتھ رکھے کچن میں بیٹھنا اسے عجیب لگ رہا تھا۔وہ کام کرتے اس

سے باتیں کر رہی تھی۔ تم بادام کا قورمہ بنالو گی آپ کو کوئی شبہ ہے میرے ہاتھ کے قورمے کی بہت دور تک دھوم ہے۔اس نے اپنی تعریف خود کی وہ ہنس پڑی۔ قورمے کی باریک پیاز کاٹتے وہ زور و شور سے آنسو بہہ رہی تھی۔

کچھ چاہیۓ اسفند؟ جو اسی وقت کچن آیا تھا۔ہاں اگر چاۓ پلا دیں تو

ابھی سارے چولہے بزی ہیں تھوڑی دیر ٹھہرو جلدی کس خوشی میں ہے۔ایک چکر ہسپتال لگانا ہے پھر سائم اور کشمالہ کے ساتھ اوٹینگ کا پروگرام ہے۔اسے دیکھ کر زوبیہ کا بے تکلف ہونا اور فر فر چلتی زبان دونوں بند ہو چکے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ گیا کچن سے تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔اسے اتنا پتہ تھا ان لوگوں سے اس کی بہت انڈر سٹینڈ نگ ہے مگر اتنی زیادہ ہے نہیں پتہ تھا۔

زوبیہ تم زرا چاۓ بنا کر دے آؤ۔

وہ ٹرے میں چاۓ لے کر داخل ہوئی. آصفہ نے مہمان سے کام کروانا شروع کر دیا ڈاکٹر شہزور نے افسوس سے کہا۔وہ مسکرا کر کچن چلی گئی۔

چاۓ پی کر وہ چلا گیا تو اسے اطمینان نصیب ہوا۔سارا دن وہ ان کے ساتھ کھانے میں ہلپ کرتی رہی۔اسفند کے جانے کے بعد ڈاکٹر شہزور بھی کچن آ گئے کافی ہلپ کی انہوں

نے بھی

شام میں جب اس نے ان کا دیا، بلیک سوٹ پہنا جس پر سرخ اپلک ورک ہوا تھا وہ بہت خوش ہوئی۔ واؤ تمارے بال کس قدر خوبصورت ہیں تم ان کو لپیٹ کر ہمیشہ رکھتی ہو کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ وہ روزانہ کی طرح بال بنانے کا ارادہ رکھتی تھی مگر انہوں نے ٹوکا۔ کھولنا نہیں ہے تو کم سے کم چوٹی بنالو ان کے کہنے پر چوچوٹی بنالی براؤن لپ اسٹک لگاتے اس کے اندر جنگ چھڑ گئی۔ میں نے سوچا نہیں تھا خوبصورت آواز والی لڑکی اتنی خوبصورت بھی ہو گی۔ ہم سمجھتے تھے تم بدل گئی ایسی بد کردار کو پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دینا چاہیئے۔ کئی جملے اس کے اوپر ہتھوڑے برسانے لگے۔ مگر وہ ایک بات سے پر سکون ہو گئی۔ یہاں کوئی اس کا ماضی نہیں جانتا۔ کوئی اس کے کردار پر شک نہیں کرے گا۔ یہاں کوئی تیار ہونے پر طعنے نہیں دے گا اس کا دل کرتا تھا وہ بھی اپنی ہم عمر کی طرح سجے سنورے اسے تھپکی دے کر سلا دیتی اج خوش تھی۔

زرہ سے چینج سے کتنا بدل گئی تھی انہوں نے دل کھول کر تعریف کی۔

سردی کی وجہ سے اندر ہال میں ڈینر کا اہتمام کیا گیا۔ سب لوگ آنا شروع ہو گئے تھے ۔اسفند کے ساتھ بی جان اور گیتی کشمالہ اور سائم بھی تھے۔ ڈاکٹر آصفہ اور شہزور نے بہت پر جوش سے ان کا خیر مقدم کیا۔ سب جا جا کر بی جان سے مل کر دعائیں لے رہے

تھے آپ کیا ہم لوگوں سے عید بھی نہیں ملیں گی۔ کشمالہ اور سائم نے شکوہ کیا۔ ارے نہیں میں بس آ رہی تھی وہ ان دونوں کے ساتھ وہی بیٹھ گئی۔ میں سوچ رہی تھی عید کرنے تو تم لوگ گھر ضرور آؤ گے جی ہاں تب ہی تو آج شہزور انکل کے ہاں ملی ہیں وہ بھی اس دن افطار ڈینر نہیں تھی کل ہم آئے تو پتہ نہیں کہا گم تھی۔ تم لوگ آئے تھے وہ حیران ہوئی۔ تو کیا ہم جھوٹ بول رہے ہیں گیتی اور بی جان اسے دیکھ چکے تھے۔ اسے اپنی بد تمیزی کا احساس ہوا تو ان سے سلام کرنے گئی

کیسی طبیعت ہے بیٹا؟ رسمی جملے کے بعد بی جان نے پوچھا وہ حیران کے میں بیمار کب تھی۔

اس دن میں نے افطاری پارٹی میں بلانے کو فون کیا پتہ چلا تھا تم جلدی چھٹی لے کر چلی گئی اس روز بھی مجھے پتہ یوتا تم اسفی کی وجہ سے جا رہی ڈیوٹی نہیں ہے تو میں جانے نہیں دیتی۔ ہسپتال میں ڈاکٹر اور اوپر نیچے والا کام ہے گھر میں نہیں اسفی اوپر سے سخت لگتا ہے اندر سے بہت محبت کرنے والا ہے مجھے کشمالہ نے بھی کہا کہ شاید تم نہیں آؤ اس لیے فون کیا تھا۔

تمہیں بلانے کے لیے لیکن اسفی سے بات ہوئی اس نے بتایا وہ تو چھٹی لے کر چلی گئی۔

محبت کرنے والا پیارا بیٹا کچھ فاصلے پر کھڑا ڈاکٹر شہزور سے باتیں کر رہا تھا اور یقینا یہ تمام

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جملے اس نے بھی ضرور سن لیے ہوں گے۔ اتنی بری طرح تو وہ ان کے گھر جانے پر شرمندہ نہیں ہوئی تھی جتنی ان کے منہ سے اس وقت باتیں سن کر ہوئی۔

سو بر سا امیج جو بنانے میں کامیاب ہوئی تھی کتنی بری طرح ٹوٹا تھا۔ مگر یہ ان کو بتا کس نے؟

یہ محترمہ ہیں نا انہوں نے اس دن جب آپ ہم لوگوں سے ناراض ہو گئی تھیں۔ میں نے کتنے اشارے کیے کمر چٹکی کاٹی مگر یہ بولتی چلی گئی جو جو آپ نے ہم لوگوں سے کہا تھا سب بول دیا وہ بھی ممی بی جان اور لالہ کے سامنے۔ سائم نے کھانا کھاتے ہوئے کشمالہ کی طرف اشارہ کر کے کہا تو اس کا دل چاہا وہاں سے نکل کر بھاگ جائے۔ آپ مجھ سے ناراض ہو گئی کشمالہ ڈر گئی اسے ناران دوست اور دانا دشمن والی کہاوت یاد آ گئی تھی۔

نہیں آپ سے ناراض ہو کر کدھر جاؤں گی۔

ایندہ کم از کم اس نے کشمالہ کے سامنے سوچ سمجھ کر بات کرنے کا سوچتے ہوئے جواب دیا۔

سسٹر رضیہ کو واپس ڈیوٹی جوائن کرنے کی جلدی تھی۔ موقع غنیمت جان کر وہ بھی ان کے ساتھ آ گئی۔ ابھی ڈیزیز چل رہا تھا۔ واپس جانے والی وہ دونوں سب سے پہلی مہمان

تھیں۔ اگلے کئی دن وہ ڈاکٹر اسفند سے کتراتی رہی۔

کشمالہ اور سائم عید کرتے ہی واپس ہو گئے۔ جانے سے پہلے وہ اس سے ملنے آئے تو وہ دونوں کے ساتھ اسی جگہ آ گئی جہاں وہ پہلی بار ملے تھے۔ سائم نے دکھ بھرے انداز میں پوچھا زوبیہ آپی آخر ہم لوگ اس طرح چھپ چھپ کر کب تک ملیں گے۔ اس کا فیلمی انداز سے جملہ بولتے سن کر بہت ہنسی آئی۔

فیلمیں زرا کم دیکھا کرو کشمالہ نے کہا۔

دیکھیں نا اسپتال ہم مل نہیں سکتے گھر آپ آتی نہیں ہیں یہ سماج کی دیواریں کب تک۔

اب میں کچھ بولی تو تماری عقل مند بہن صاحبہ وہاں جا کر سب الم نشرح کر دے گی اس بات کا جواب تمہیں اکیلے دوں گی۔

اس دن اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی۔ وہ فارغ اونگھ رہی تھی تو اسے شرافت بابا کا خیال آیا۔ بے چاروں کے گردے ناکارہ ہو گئے تھے۔ ہفتے میں تین بار ان کا ڈایالیس ہوتا ہے۔ وہ اپنے گھر کے واحد کفیل تھے رضیہ نے اسے بتایا تھا کے ایدے مریضوں کی اسفند خفیہ مدد کرتا ہے بلکہ صرف وہ نہیں ڈاکٹر شہزور بھی مگر چرچا نہیں کرتے۔ اسپتال کے اخراجات کے علاوہ بھی ان کی مالی مدد کرتے۔ اسپتال میں امیر بندہ دخل

ہوتا اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جاتی۔

کسی سردار کا بیٹا آج کل ایڈمنٹ تھا وہ آج راونڈ پر اسفند کے ساتھ آئی تھی وارڈ میں وہ اس کے کمرے تک پہنچنے تو اسفندیار اس سے بولا بس آپ جائیں اب۔ وہ اس بات پر توجہ دیے بغیر کے اس نے جانے کا کیوں بولا تو فوراً وہاں سے چل دی اس کے ساتھ تو سر پر تلوار لٹکی محسوس ہوتی ہے۔

سسٹر سے تھوڑی دیر آنے کا کہتی وہ مردوں کے وارڈ آ گئی۔ وہ شرافت بابا کے پاس بیٹھ گئی ان کی بوڑھی آنکھیں لمہ بھر کے لئے مسکرائی۔ آدھا پونا گھنٹہ ان کے پاس رہ کر اٹھ گئی کوریڈور میں چلتے اس نے آواز سنی

ایکسکیوزمی ڈاکٹر۔ وہ پلٹی تو حلیہ سے ہی سمجھ گئی پرسوں داخل ہونے والا جاگیر دار کا بیٹا ہے گلے میں سونے کی چین قیمتی گھڑی قیمتی لباس جی وہ اس کے پاس آ گئی۔

میرا دل بہت بری طرح گھبرا رہا ہے چکر آ رہے ہیں ہاتھ پاؤں بے جان سے لگ رہے ہیں۔ وہ ایک دم الرٹ ہو گئی۔

آپ لیٹیں میں چیک آپ کرتی ہوں۔

وہ سنجیدگی سے اس کا معائنہ کر رہی تھی اچانک اسے عجیب سا محسوس ہوا بے اختیار نظریں اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا وہ گہری بے باک نظروں سے اسے دیکھ

رہا تھا اسے اس کی نگاؤں سے خوف آیا وہ پیچھے ہٹنے لگی تو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

آپ کو کبھی کسی نے بتایا ہے ڈاکٹر آپ بہت خوبصورت ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی مکمل حسین لڑکی نہیں دیکھی۔

کیا بد تمیزی ہے آپ ہوش میں تو ہو چھوڑو میرا ہاتھ

وہ بلند آواز میں چلائی۔ دل خوف کے مارے بند کے قریب تھا اچانک خود ہی اس نے ہاتھ چھوڑ دیا گھبرائی آواز میں بولا

آیئے ڈاکٹر اسفندیار

اس کے منہ سے کلمہ شکر نکلا۔ بے اختیار اس نے پلٹ کر دیکھا میں ڈاکٹر صاحبہ سے کہہ ہی رہا تھا کاش ڈاکٹر اسفند آجائیں تو بہتر دیکھ بھال ہو۔

وہ بے غیرتی کی حد کرتے پینترا بدل گیا وہ سن کھڑی رہ گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں بری طرح کانپ رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا ابھی گر جائے گی اسفند اندر آیا ایک بار بھی زوبیہ کی طرف نہیں دیکھا مسلسل آوز سلطان کو دیکھ رہا تھا۔

مجھے بھی یہی لگ رہا ہے آپ کی ٹریٹمنٹ اب مجھے ہی کرنی پڑے گی۔ وہ طنزیہ انداز میں بولا

آپ جا سکتی ہیں ایک سرد کاٹتی ہوئی نظر ڈال کر اسے کہا۔ اتنے سخت اور کراخت الفاظ میں اس نے اس سے پہلے کبھی بات نہیں کی تھی۔ وہ فورا باہر نکل آئی۔ وہ پیر کی رُک رہی تھی پڑ کی رُہا تھا۔ اسے کچھ دکھائی نہیں رہے رہا تھا یا اللہ یہ کیا ہونے جا رہا تھا میرے ساتھ۔۔ وہ ابھی بھی کانپ رہی تھی۔ کمرے میں آ کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر سوچ میں گم سم اتنے میں انٹر کام بجا۔

آپ زرا میرے کمرے میں آیئے۔ وہی سرد لہجہ وہ بامشکل خود کو گسیٹتی اس کے کمرے تک پہنچی۔ دونوں ہاتھ پیچھے باندھنے وہ کمرے میں گھوم رہا تھا۔ اسے دیکھ کر رک گیا۔ اس کے بالکل سامنے آ کر بولا۔

میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں ڈاکٹر زوبیہ خلیل کہ یہ سب کیا تھا آپ وہاں کیوں گئی کس کی اجازت سے اپ کو تماشا بننے کا شوق ہو تو ہو مجھے اپنی نیک نامی عزیز ہے وہ غصے سے چلایا۔ ڈاکٹر تاجدار ڈیوٹی نہیں تھے؟ ایسا کون سا کیس تھا جسے آہ ہنیڈل کرنے گی۔ ہماری عزت کو داغ لگا کر آئی ہے یہ بے غیرت میں اس کا خون کر دوں گا۔ اسے اسفند کی آواز نہیں بلکہ کچھ اور آوازیں سنائی دے رہی تھی۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں میں اسطرح کی لڑکی نہیں ہوں۔ آواز بعد میں نکلی آنسو پہلے۔ وہ کبھی بھی کسی کے سامنے نہیں روئی تھی اس شخص کے سامنے تو کبھی بھی نہیں رونا چاہتی تھی مگر اس وقت وہ

زار و قطار رو رہی تھی۔

اس کا جملہ اور رونا دونوں غیر متوقع تھے۔ تھوڑی دیر وہ اسے آنسو بہتا دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس لے کر آہستگی سے بولا

بیٹھ جایئے ڈاکٹر زوبیہ۔۔۔اس بار لہجہ پر سکون تھا وہ ایک دم روتی ہوئی کمرے سے بھاگ کر نکل گئی۔ واش روم میں خود کو بند کر کے نل کھول کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میری بد نصیبی کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ یہاں کسی کو میرا ماضی نہیں پتہ میں بہت خوش تھی سب مجھے شریف پاکباز حیادار لڑکی سمجھتے ہیں۔ مگر اب نہیں سمجھیں گے۔ ڈاکٹر اسفند کے سامنے میری کیا عزت رہ گئی وہ سوچ رہے میں جان بوجھ کر وہاں گی مجھے مشکوک کردار قرار دے کر نکال دیں گے پھر سب جان جائیں گے میری اصلیت۔ حجت گل خان شہزور کشمالہ صائم وہ سب مجھے پیار کرتے ہیں مجھ پر تھوکیں گے میرے خدا موت دے مجھے اب مجھے نہیں جینا اب اور کتنی زلت سہوں میری طبیعت ٹھیک نہیں کوئی پوچھے تو بتانا میں ہاسٹل میں ہوں پتہ نہیں کتنی دیر بعد وہ واش روم سے نکلیتیز چلتی ریسپشن میں آگئی وہ اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی نہ ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر تاجدار کا نہ رہی راضیہ کا وہ کمرے میں پہنچا چاہتی تھی جلدی۔ وہ صبح تک ایسی حالت میں رہی میں اپنے حق میں کچھ نہیں ثابت کر پاؤں

گی۔وہ رات بھر دعائیں مانگتی رہی۔

شکر ہے تمارا ٹمپریچر تو نارمل تکلیف سے کراتے اس نے آنکھیں کھولی تو ڈاکٹر صاآصفہ اس کے پاس تھی خود پر کام کا بوجھ نہیں ڈالا کرو طبعیت ٹھیک نہیں تھی تو چھٹی کر لیتی۔ان کی اپنائیت اسے حیرانی میں مبتلا کر رہی تھی۔

اب آنکھیں کھولو اور ہمت کر کے تھوڑا دودھ پی لو تا کہ دوادی جا سکے۔انہوں نے پیچھے تکیہ رکھ کر اسے بیٹھایا اور پاس کھڑی سسٹر کو دودھ لانے کا بولا۔ نظریں سامنے لگی گھڑی پر پڑی تو شام کے پانچ بج رہے تھے اسے بخار کب ہوا بس اتنا یاد تھا اس کے سر میں بہت درد تھا آنکھیں کھل نہیں رہی تھی اور شاید کوئی زور سے اسکے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا سوتے جاگتے شاید سسٹر رضعہ اور ساتھ کسی کی آوازیں تھی۔

رات تک سب ڈاکٹر کے علاوہ کئی لوگ عیادت کواتے رہے ہر کوئی اس کے لئے فکر مند تھا۔اس کے سرانے پھولوں پھلوں اور دوائیوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ڈاکٹر آصفہ رات تک اس کے پاس رہی۔اگے روز صبع سویرے حجت چلی آئی اسے یقیناً شہباز نے بتایا ہو گا۔آپ اپنا خیال نہیں رکھتی دیکھیں رنگ کیسے پیلا ہو رہا ہے۔میں آپ کے لیے حلوہ بنا کر لائی ہوں دیسی گھی کا کھا کر آپ کو طاقت آجائے گی۔وہ اپنے ہاتھ سے چمچ بھر

کے اس کے منہ میں ڈالنے لگی۔ پھر گل خان اور اس کی بے بے آئی وہ اپنے آپ سے ایک ہی سوال کر رہی تھی کہ کیا میں اتنی اہم ہوں کہ سب کو میری فکر لگ گئی اس کی نظروں میں بہت منظر گھومے کے اس کے خونی رشتوں نے بیماری میں اس کا ساتھ نہیں دیا اسے نظر انداز کیا کبھی نہیں پوچھا کھانا کیوں نہیں کھا، رہی اندر کیوں پڑی ہے یہ انجان لوگ کس طرح چاہت نچھاور کر رہے تھے

ڈاکٹر شہزور اور ڈاکٹر آصفہ دونوں نے آکر آج پھر خیر خیریت پوچھی سارے اسٹاف کی طرف سے Get well soon

کا کارڈ اور پھول یہ چار دن اس کے بھرپور چاہت کے تھے کسی کی انکھیں نہیں بدلی لہجہ نہیں بدلہ بہت فکر خیال رکھا گیا۔ مگر وہ ڈاکٹر اسفندیار اس نے کئی بار سوچا شاید وہ یہ بات کسی کو بتانا نہیں چاہتے لیکن یقیناً اب تک میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا ہو گا۔ بہتر ہو گا ان کے کہنے سے پہلے خود استعفیٰ دے دوں کم سے کم نکالے جانے کی زلت سے تو بچ جاؤں گی۔ وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی کہ یہاں سے جا کر کرے گی کیا۔ وہ اپنا استعفیٰ لکھنے میں مصروف تھی۔ جب اسے ڈاکٹر اسفند کے ٹیلی فون کی اطلاع ملی ۔وہ کامن روم میں آگئی۔

اسلام و علیکم بہت بجھے بجھے الفاظ میں سلام کیا

www.neweramagazine.com

وعلیکم السلام طبیعت کیسی ہے اب؟ بڑے خشک انداز میں دریافت کیا۔

ٹھیک ہے

ٹھیک ہے تو ڈیوٹی کیوں نہیں آرہی؟ آپ کی وجہ سے ڈاکٹر آصفہ پر بہت بوجھ ہے

میں کل سے آجاؤں گی۔اس کے زہین میں اپنا ادھورا لکھا استعفیٰ گھوم رہا تھا۔

دوسری طرف ٹھیک ہے کہہ کر لائن کٹ کردی۔

کمرے میں آکر استعفیٰ پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال کر پر سکون ہو گئی۔ایسے جیسے کسی پھانسی والے مجرم کی اچانک سزا معاف ہو جائے۔اسے زندگی میں کبھی معافی نہیں ملی تھی آج جہاں سے امید نہیں تھی وہاں سے معاف ہوئی۔زندگی اچانک مہربان ہو گئی

اس نے خود سے سوال کیا۔

جب اسپتال آئی سب نے اچھے سے خیر مقدم کیا۔ایسے جیسے بہت وی ائی پی ہے اسفند کے اسٹائل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی وہی روکھا غلطی پر ڈنٹ ڈپٹ کچھ نہیں بدلہ تھا۔

اسے دوبارہ جوائین کیے کافی دن ہوئے تھے اسفند نے کبھی اس واقعہ کا زکر، نہیں کیا۔بہت بار اس کے کمرے میں کام کے لئے گئی بہت دل کرتا، خود زکر چھیڑ دے مگر ہمت ہار جاتی۔آصفہ سے باتوں باتوں میں سلطان کے بارے میں پوچھا وہ سوچ کر بولی

وہ تو بہت دن پہلے ڈسچرج ہو کر چلا گیا تم بیمار تھی اس لیے نہیں پتہ ویسے وہ کچھ خاص

بیمار بھی نہیں تھا بڑے لوگ تھے دل توان کا تھا اب یہی رہے میں نے بھی اسفند سے بالا، رہنے دو ہمارا کیا جاتا ہے وہ مسکرائیں زوبیہ مسکرا، نہیں سکی۔ ہر طرف سے اطمینان تھا سوائے اسفند کے۔ ایک شخص تو ایسا، تھا جس کی نظروں میں وہ گر گئی تھی۔

ڈاکٹر اسفند آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔

اس کے ساتھ کوریڈور چلتے آہستہ سے کہا وہ ایک مہنے سے اس ازیت سے گزر رہی تھی نجات پانا چاہتی تھی

بات تو مجھے بھی آپ سے کرنی ہے وہ اپنے کمرے کے سامنے رکا بغر چونک بولا وہ جلدی سے سوچنے لگی انہوں نے کیا بات کرنی ہے۔

اگر آپ برا نہ مانے تو پہلے میں بات کر لوں؟ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا وہ بھی پیچھے پیچھے ابھی بات شروع نہیں ہوئی اس کی ہارٹ بیٹ تیز ہو گئی۔ کتنی مشکل سے اس نے ہمت جمع کی تھی اب وہ پتہ نہیں کیا کہنے والا ہے پتہ نہیں اس کی بات کے بعد بولنے کی ہمت رہے گی کے نہیں۔ اس نے بیٹھنے کا، اشارہ کیا بیٹھ گئی۔

بی جان پوچھ رہی تھی کے آپ کی یہ پھر کب آئے گی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا

جی ؟اس کی بات اس کے سر سے گزر گئی تھی

سنا ہے آپ ان سے پھر کبھی انے کا وعدہ کر کے آئی تھی وہی پھر کب آئے گی پوچھ رہی تھی۔

وہ اتنی حیران ہوئی کہ کچھ بول نہیں پائی۔ ہسپتال میں گھریلو بات وہ بھی جونیئر سے

اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو آپ کہہ کر آئی تھی نا اس کے بے وقوفوں کی طرح گردن ہلا دینے پر بولا

ٹھیک ہے پھر آج آپ وہاں آرہی ہیں آٹھ بجے آپ کی ڈیوٹی آف ہو گئی میں ڈرائیوز بھیجوں گا۔

وہ انٹر کام اٹھا، کر ڈاکٹر شہاب کو اندر آنے کا کہنے لگا اسے بیٹھا دیکھ کر حیرانی سے بولا

اب آپ جائیں اپنا کام کیجئیے

ڈاکٹر اسفند، یہ رہی ساری رپورٹیں ڈاکٹر شہاب اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔ وہ

خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی انہیں پتہ نہیں میں نے بھی بات کرنی تھی شاید اسی لیے

گھر بلوایا ہے یہاں وہ بات کسی کو نہیں بتائی یقیناً چھپانا چاہتے ہیں اسی لیے گھر کا بولا

ٹھیک آٹھ بجے ڈرائیور اسے لینے آ، گیا ملازم کے ساتھ اندر داخل ہوئی گیتی آرا نے

استقبال کیا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسفی نے تمارے آنے کا بتایا تو بہت خوشی ہوئی کشمالہ تو اسفی سے جھگڑا کر چکی کے آپ کی وجہ سے ہماری زوبیہ آپی یہاں نہیں آتی۔اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر میں بی جا بھی آ گئی ان کی گفتگو کا موضوع کشمالہ صائم اور اسفند تھے

آرام سے بیٹھو سردی تو نہیں لگ رہی ؟اسے بلا کر خود پتہ نہیں کدھر گم ہو گیا۔وہ اسکی غیر موجودگی سے بدمزہ ہوئی۔ملازم نے کھانا لگ جانے کی اطلاع دی

گیتی بولی اسفی کو بھی بلا لو اس پر نظر پڑی تو وضاحت دینے لگی کے اسکے کچھ مہمان آئے تھے وہی کمپیوٹر پر بیٹھ گیا کہہ رہا تھا کھانا لگ جائے تو بلا لینا۔

وہ اندر داخل ہوا زوبیہ نے اسے سلام دیا وہ کھانے کے ٹیبل پر کرسی کھینچے ہوئے سلام کا جواب دیا۔وہ کھانے میں ایسے مگن ہوا جیسے دن بھر کچھ کھایا نہیں تھا بی جان اور گیتی اس کی تواضع میں مصروف تھیں۔

یہ چکن ٹرائی کرو اسفی کو بہت پسند ہے میرے ہاتھ کی۔

یہ فروٹ سلاد

اسفند نے کھانے کے دوران ایک دو بار سر اٹھایا وہ بھی بی جان کی بات کا جواب دینے کے لیے.اس کا یہ رویہ اسے بہت برا لگا

خود بلا کر اسے ظاہر کر رہا ہے جیسے میں منہ اٹھا کر خود چلی آئی ہوں۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب لاونچ میں آ گئے کافی ختم کرتے ہی وہ جانے کو کھڑی ہو گئی۔ وہ فون میں کسی سے بات کر رہا تھا۔ اسے جاتا دیکھ کر ایک دم خدا حافظ کر کے ریسیور رکھ دیا۔

آئیں میں آپ کو باہر تک چھوڑ دوں بی جان روکنے کا اصرار کر رہی تھی اور بیٹا بھیجنے پر تیار تھا۔ ان سے دوبارہ آنے کا بول کر اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ چپ چاپ دونوں مرکزی گیٹ سے باہر آئے۔ آپ کیا کہنا چاہتی تھی؟ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے لاپرواہ انداز میں بولا

وہ جواب تک مکمل مایوس ہو چکی تھی ایک دم چونکی۔

میں وہ اس دن کے بارے میں بڑی مشکل سے الفاظ ڈھونڈ رہی تھی آپ پتہ نہیں کیا سمجھے کیا سوچا کیا ہو گا

وہ رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا وہ اسکی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

میں تو ہر وقت ہی کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہوں ہر نارمل آدمی سوچتا ہے۔

پلیز ڈاکٹر اسفند وہ کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

آپ بہت اچھی ہیں زوبیہ آپ کو کوئی بات ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم سب آپ کو جانتے ہیں اچھی کو کسی گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی سنجیدگی کے ساتھ نا محسوس

اپنائیت تھی لہجے میں۔آپ کو یہاں اپائیٹ کا فیصلہ میرا تھا میں اپنے فیصلے سے مطمئن ہوں وہ آنسو بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی جو اس کے سامنے کھڑا ہمیشہ سے مختلف تھا۔ڈاکٹر آصفہ اور ڈاکٹر شہزور آپ کے مقابلے میں ایک اور کو چن رہے تھے مگر آج وہ میرے فیصلے کو داد دیتے ہیں۔

آپ میں مجھے ہمدرد اچھا انسان نظر آیا تھا جیسا سوچا آپ ویسی ہی ہو آپ میں کچھ خامیاں تھی ادھر مریض کی حالت بگڑی ادھر آپ کے ہاتھ کانپ رہے مگر یہ وقت کے ساتھ ٹھیک ہو جاتا ہے مگر آپ کی خوبیاں آپ کے بہت کام آئیں گی۔آپ کا خلوص بھر رویہ آپ کے کامیاب ہیتھار ہیں۔وہ اتنے کھلے دل سے تعریف کر رہا تھا جو بڑے سے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔آپ اچھی ڈاکٹر اچھی انسان اور اچھی کک بھی ہیں گلاب جامن قورمہ بہت اچھا بناتی ہیں دونوں بہت آہستہ چل قدمی کر رہے تھے وہ حیران ظاہری بات ہے اللہ نے مکمل کسی کو نہیں بنایا سب میں کچھ نا کچھ کمی ہے آپ میں دو بڑی خامیاں ہیں جو خوبیوں پر بھاری پڑ جاتی ہیں وہ یہ ہیں ایک عقل سے کام نہیں لیتی دوسرا جلد بازی سے کام لیتی ہو۔ان پر قابو پالو تو آپ جیسا انسان ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا۔ڈرائیور نے ان کو آتا دیکھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔آپ دوبارہ

مجھے رات کو اکیلی مردوں کے وارڈ میں نظر آئی تو میں بھی عقل سائیڈ رکھ دوں گا ڈرائیور کو گاڑی اسٹاٹ کا اشارہ کر کے اسے بیٹھنے کا کیا۔آپ بہت اچھی ہیں زوبیہ سب جانتے ہیں کتنے پرانے زخموں کو مرہم لگ گئی اس الفاظ سے کتنے سالوں بعد کسی نے اسے اچھا کہا تھا کتنے عرصے بعد آج سکون سے سوئی جیسے بوجھ اتر گیا ہو۔صبح اچھل کر اٹھی کمبل پھینکتے ہوئے آئینے کے سامنے آپ بہت اچھی ہیں زوبیہ اپنی حرکت پر خود ہی ہنس پڑی۔

جلدی سے تیار ہو کر نکلی تو شہباز نے گھاس کاٹنا چھوڑ کر اس سے مخاطب ہوا امی کے جوڑوں میں درد تھا وہ شہباز سے بات کر کے اندر داخل ہوئی تو ڈاکٹر آسفہ ڈاکٹر شہزور اور اسفند وہاں موجود تھے وہ دس منٹ لیٹ تھی اس پر اسفند نے اچھی خاصی کلاس لی وہ بھی ان دونوں کے سامنے ڈانٹ کر وہ کمرے میں چلا گیا

شہاب ڈاکٹر نے حیران ہو کر پوچھا آج آپ ڈانٹ کھا کر پر سکون ہیں پہلے تو کئی گھنٹے موڈ آف رہتا تھا لگتا ہے آپ کو بھی اب عادت ہو گئی ہے۔

وہ ہنس پڑی۔

خالہ امی کا خط آیا تھا شہلا کی شادی ہو رہی ہے لڑکے کی دبئی جاب ہے اسے شادی کا سن

کر بہت خوشی ہوئی۔ کتنی فکرمند تھی خالہ انہوں نے شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ وہ اوپر سے لکھ تو دیا مگر دل میں ہو گا نہ آئے بہو بیٹے کے رویے کی وجہ سے یہ سب سوچ کر جواب میں اس نے رقم بھجوا دی اس کا اور تھا کون جس پر خرچ کرتی۔

ڈاکٹر آصفہ اور ان کے شوہر امریکہ بیٹی سے ملنے چلے گئے۔ وہ آئے تو اسفند امریکہ چلا گیا۔_______________________

اس روز صائم کا فون آیا وہ خوش کے ساتھ حیران بھی ہوئی۔ کہاں سے فون کر رہے ہو؟

جناب یہی سے بات کر رہا ہوں اگزمیز کے بعد لمبی چھٹی آیا ہوں

اس نے صائم سے تو کچھ نہیں کہا ڈیوٹی ختم ہوتے ہی ان کے گھر آ گی۔ کشمالہ کے بغیر عجیب سا الگ رہا تھا۔ وہ بی جان اور گیتی کے پاس بیٹھنے لگی تو صائم اسے اپنا میوزک سسٹم دکھانے اپنے کمرے لے گیا۔ لالہ نے گفٹ کیا ہے بر تھ ڈے کا کشمالہ بھی جلد نازل ہونے والی ہے بول رہی تھی جلد آئے گی۔ یہ تمارے پاپا کی تصویر ہے دیوار پر لگی فیملی فوٹو میں پوچھا وہ مختصر بولا۔۔جی۔۔

دیوار پر ایک اور تصویر تھی اسفند اور شیر خان کی دونوں بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر

مسکرا رہے تھے زوبیہ اپی لالہ اور پاپا میں بہت پیار تھا پاپا پولو کھلتے تھے لالہ اب مجھے بھی سکھا رہے ہیں میں بالکل لالہ جیسا بننا چاہتا ہوں ان کی طرح بے خوف پر اعتماد نڈر

وہ اسے دیکھنے لگی پاپا اچھے تھے مگر لالہ جیسے بہادر نہیں تھے میں لالہ جیسا بہادر بننا چاہتا ہوں۔ایسا لگ رہا تھا کہ صائم اپنے باپ سے کسی بات سے خفا ہے وہ پوچھ کر اسے دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔اچھا غصہ میں بھی ان کی طرح بننا چاہتے ہو وہ بولا ہاں

پھر تو ہماری دوستی کچھ ہی عرصہ چلے گی۔پھر تو صائم صاحب غصے والے ہوں گے وہاں جا کر بنا کھانے کے واپس سوال نہیں پیدا ہوتا بی جان کے اسرار پر کھانا کھا کر اس بار اس کے دل میں ڈر نہیں تھا کوئی بھی۔۔۔

حجت اور اس کی ساس اسپتال ان کا چیک اپ کر کے فارغ ہوئی تو ڈاکٹر آصفہ وہی آ گئی پتہ نہیں اس کی کس بات سے انہیں لگا کہ وہ خوش ہے۔آپ کو کیسے پتہ۔؟ تمہارے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی ہے۔ صیحع پہچانا آپ نے اصل میں حجت کی وجہ سے خوش ہوں ابھی چیک اپ کیا وہ امید سے ہے ساس بھی اب اس کا خیال کر رہی تھی تو تم اس کی خوشی میں خوش ہو۔اس کی ساس کو سمجھایا تو وعدہ کر گئی کے اب بیٹے کو بھی نہیں مارنے دے گی۔وہ اپنی کوشش سے اس کی ساس کو موم کرنے میں کامیاب ہوئی تھی اپنی کامیابی پر خوش تھی۔

اسفندیار واپس آگیا تھا اس کے ساتھ ڈاکٹر کی ایک ٹیم بھی تھی۔انکو اسفندیار نے اپنے گھر مہمان رکھا وہ آتے ہی لوگوں کی معلومات اکھٹی کرنی شروع کر دی۔یہ معزور بندہ میری کلاس سے ایک سال اگے تھا ہیلینا نے خود ہی اسکی حیرت دور کر دی وہ اس کو علاقے کی عورتوں سے ملوانے لے گی جبھی رستے میں اس نے بتایا۔

بہت لڑکیاں مرتی تھی مگر مجال ہے کسی کو منہ لگائے۔اب ہینڈ سم اوپر سے پر اوڑ لڑکیاں پاگل تو ہوں گی۔اسکی ایک کلاس فیلو اس کے لیے مسلمان ہونے کو تیار تھی جب اس نے پاکستان آنے کا فیصلہ کیا اس نے مارے دکھ کے نیند کی گولیاں کھا لی تھی ۔قسمت اچھی تھی بچ گئی۔ہماری لڑکیاں مشرقی لڑکے پسند کرتی ہیں اور اسفند کی طرح ہو تو کیا ہی بات ہے مگر یہ میرے علاوہ کسی سے بات نہیں کرتا مگر حیرت ہے اسکی ابھی تک شادی نہیں ہوئی اس وقت تک تو انگیجمنٹ ہوئی تھی۔اس نے مجھے بتایا تھا اس کی منگنی ہو چکی ہے اپنی کزن سے اسے پسند بھی کرتا ہے اور یہ کے اسے کسی فارنر لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں پھر میں پڑھائی کے بعد سوئزر لینڈ چلی گئی پھر رابطہ نہیں ہوا اب پوچھا تو ٹال گیا۔

وہ چپکر کے اس کی باتیں سن رہی تھی اسفندیار کا ذکر کرتے اس کے چہرے پر جو رنگ آ رہے تھے اس کا بے ساختہ دل چاہا اس سے پوچھے

ڈاکٹر ہیلینا آپ نے اب تک کیوں نہیں کی شادی؟

ان لوگوں کے آنے سے سب روٹین بدل گئیں تھی وہ جو شوق سے کام کرتی اب بوجھ لگنے لگ گیا تھا۔ان لوگوں کے جانے کے آخری روز سب کو ڈنر پر اہتمام کیا جس میں سب ڈاکٹر بھی تھے وہ پچھلی بار کی طرح خاص ان وائیٹ کی منتظر نہیں تھی اس سے ایسی امید نہیں کی جاسکتی مگر اسے حیرت کا جھٹکا تب لگا جب اسفند خود اس کے کمرے میں آیا رات کو ہونے والی دعوت کا بلاوا دیا۔سنا ہے آپ میری انوائیٹیشن پر آنا چاہتی چاہئے بی جان کی نہ ہو آپ بیمار پڑ جاتی ہیں۔وہ دیکھتی رہ گئی وہ کمرے سے چلا گیا

وہ ڈاکٹر تاجدار اور راضیہ سسٹر کے ساتھ ان کے گھر آئی تھی۔سب سے سلام دعا کے بعد وہ ایک کونے میں بیٹھ گئی۔سب خوش گپیوں میں لگے وہ بے دلی سے کھانا کھارہی تھی۔

آپ بہت خاموش ہیں لگتا ہے بور ہو رہی ہیں۔وہ اچانک ہی اس کے پاس آگیا۔شاید میزبانی نبھانے کی خاطر۔

نہیں بور نہیں ہو رہی۔وہ بہت غور سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔

کچھ پریشان ہیں؟

وہ اس بات پر بے اختیار چونک گئی اب جواب میں کچھ بول بھی نہیں پائی تھی کہ ڈاکٹر

آصفہ وہاں آگئی۔بی جان کے کھانوں کی تعریف شروع کردی۔گفتگو کا رخ خود بخود بدل گیا۔ان لوگوں کے جانے کے بعد بھی وہ الجھی ہوئی تھی۔کوئی بات تھی جو اسے مسلسل ڈسٹرب کررہی تھی۔

صبح وہ ہاسٹل سے تیز رفتاری سے نکلی باغ سے گزرتی ہوئی جیسے ہی وہ دروازے میں داخل ہونے والی تھی کے کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرپڑی اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی ہاتھ سے خون بہتا دیکھ کر جلدی اٹھ گئی۔کشمالہ کی پہنائی چوڑیاں اسے خاصا زخمی کر چکی تھی۔اس کا دل رکھنے کے لئے پہنی تھی اب تقریباً ساری ٹوٹ چکی تھی۔

کوریڈ میں ڈاکٹر اسفندیار اور ڈاکٹر شہزور باتیں کررہے تھے وہ اپنی کلائی تھامے چلتے چلتے انہیں سلام کیا۔ڈاکٹر شہزور تو مگن تھے مگر اسفند کی نظر اس کی کلائی پر پڑ گئی۔معاف کیجئیے گا میں ابھی اتا ہوں۔

وہ اس کے پیچھے آیا وہ جلدی فرسٹ ایڈ کا سامان جمع کررہی تھی۔

کیا ہوا ہے ہاتھ میں؟

اس نے ایک دم ہاتھ نیچے کرلیا

ادھر آئیں مجھے دکھائیں کیا ہوا ہے وہ اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

کہاں سے چوٹ لگی ہے؟

کلائی کی بڑی فکر مندی سے دیکھتے ہوئے پوچھا

پیر سلپ ہو گیا تھا اس کے جواب سن کر کاٹن سے صاف کرنے لگا۔اور کانچ بھی چھبے ہوئے نکال رہا تھا تکلیف کی شدت سے آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔دانت دبا کر برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

شکر ہے زخم گہرا نہیں ہے۔اسکی طرف دیکھ کر بولا بہت تکلیف ہو رہی ہے۔آنکھوں میں آنسو دیکھ کر پوچھا اس نے تکلیف کے باوجود نفی میں سر ہلا دیا۔وہ اس کے سر ہلانے پر ہنس پڑا۔

اس کے اس طرح آجانے پر حیرت ہو رہی تھی۔وہ اس کے جھکے سر کو دیکھے جا رہی تھی۔وہ بینڈیج کر کے سنجیدگی سے پوچھنے لگا اور تو کہیں چوٹ نہیں لگی۔؟

اس نے نفی میں سر ہلا دیا

آپ اتنی ویک کیوں ہو رہی ہیں؟

لگتا ہے کھانا پینا ٹھیک سے نہیں کھا رہی۔

ناشتہ کیا تھا؟

اگر سچ بول دیتی تو مزید شامت آجاتی ناشتے کے نام پر ایک کپ چائے پیا ہو گا وہ اس کے بولنے سے پہلے بول پڑا۔

پڑھے لکھے جاہل ایسے ہی ہوتے اس پتہ نہیں کیسے پتہ چل گیا کے ناشتہ خاص نہیں کر کے آئی۔

کیا خانساماں کھانا اچھا نہیں بناتا؟

نہیں کھانا اچھا ہوتا ہے۔ وہ جلدی سے سر اٹھا کر بولی کے بے چارے خانساماں کی کھنچائی نہ ہو جائے۔

اگر کچھ اچھا نہیں لگتا تو مرضی سے بنوا کر الگ کھالیا کرو۔ اپنے پسند کے حساب سے اسے سمجھا دو۔ وہ اس کے اسطرح بولے جانے پر بہت حیران تھی۔ اس نے اتنی دیر سے ابھی تک اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ اسے عجیب سی گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اپنا ہاتھ گیسٹا تو اس نے فورا چھوڑ دیا۔

آپ آرام کو مگر پہلے کچھ کھالو۔

میں ٹھیک ہوں بالکل وہ اسکی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے بولی۔ آپ کو بہت شوق ہے ہسپتال کا بوجھ کندھوں پر اٹھانے کا ہم سب ظالم ہیں بیماری تکلیف میں بھی کام کروانے لگے ہیں۔

یا اللہ آج ان کو کیا ہوا ہے دل تیز دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔

جا کر اپنے کمرے میں آرام کریں۔ لیٹ کر اچھا سا میوزک سنے۔ اور آنکھیں بند کر کے وہ سوچیں جس سے آپ کو خوشی ملتی ہے۔ میں جب بھی ٹینشن میں ہوتا ہوں یہی کرتا ہوں۔ ساری ٹینس مینٹوں میں غائب ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی خواب دیکھنے میں حرج نہیں۔ وہ چوٹ کا تعلق کیا ہے ٹینشن سے وہ سوچ رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا جلدی سے بھاگ جائے۔

کہاں رہ گئے اسفند ؟ڈاکٹر شہزور کی طرف سے آنے والی آواز غیبی مدد لگی تھی۔ وہ اتنی نروس پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جیسے آج ہوئی۔

وہ بغیر کسی گھبراہٹ کے بولا ڈاکٹر زوبیہ کو چوٹ لگ گی تھی۔ وہی دیکھ رہا تھا چلیں۔ چوٹ سن کر انہوں نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا اور خیریت دریافت کی۔ وہ شرمندہ ہوئے جارہی تھی۔ معمولی چوٹ ہے وہ گھبرا کر بولی۔ اسفند ڈاکٹر شہزور سے بھی پہلے نکل گیا وہ بھی دھڑکن سنبھالتی ہوئی ہاسٹل میں آگئی۔ بیڈ پر گرتے ہوئے اس کے کانوں میں آواز گونجی آنکھیں بند کر کے ایسا سوچیں جو آپ کو خوشی دے۔ کبھی کبھی خواب دیکھنے میں حرج نہیں۔ وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے لگی تو اٹھ بیٹھی

مجھے ایسی بات سوچتے بھی شرم آنی چاہیے۔ لیکن ڈاکٹر اسفند کو آج ہوا کیا تھا۔ انہیں کیسے پتہ چلا میں الجھن کا شکار ہوں۔ وہ بات جان گئے جو وہ خود سے کہتے ڈرتی تھی۔

اگلے دن دنیا کا مشکل کام اس کو ڈاکٹر اسفند کا سامنا کرنا لگ رہا تھا۔ وہ ہر اس جگہ سے بچ رہی تھی جہاں اسکی موجودگی کا امکان ہو۔ ایک جگہ رہتے سامنا نہ ہو ممکن نہیں وہ ایک بچے کو بہلا کر کیپسول کھا رہی تھی جو کسی سے نہیں کھا رہا تھا۔ تب اسفند وہی داخل ہوئے وہ اسے نظر انداز کیے اپنے کام میں لگا ہوا تھا وہ جلدی سے نکل گئی وہ وہی تھا دوبارہ بھی سامنا ہوا وہ اس بدلے شخص کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

ڈاکٹر آصفہ نے ہاسٹل فون کر کے اسے اور ڈاکٹر تاجدار کو اپنے گھر دعوت دی تھی۔ حلیم پکا رہی ہوں تم لوگ بھی آ جاؤ۔

کوئی ایمرجنسی نہیں ہوتی تو وہ دونوں میاں بیوی گھر میں اتوار کا دن آرام کرتے۔ جب وہ کو وہاں پہنچے تو ڈاکٹر شہاب پہلے سے موجود تھے ڈاکٹر آصفہ ان کی جلدی واپسی کا سوچ کر جلدی کھانا لگانے لگی۔ انہیں واپس ڈیوٹی جوائن کرنی تھی۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ ان سب کو بلایا اسفند کو نہیں اتنی دیر میں گیٹ کی بیل ہوئی۔ اسفند اندر داخل ہوا میں کام سے جا رہا تھا ڈاکٹر آصفہ کا مسیج ملا تو چلا آیا۔

جب بھی یہ لوگ ایک ساتھ ہوتے تو شاعری مقابلہ کرتے اب بھی جاری تھا ڈاکٹر

شہزور اور ڈاکٹر شہاب آپس میں کر رہے تھے اور رسے شہاب کو نہیں مل رہا تھا۔ ڈاکٹر شہزور نے کہا بس اب ہار مان لو اتنے میں صوفے پر بیٹھے اسفند نے شہاب کی مشکل آسان کر دی رسے شعر پڑھ کر

رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرے کا نام

موسم گل ہے تمارے بام پر آنے کا نام

ارے آپ کی یہ خوبی تو آج پتہ چلی آپ بھی دلچسپی رکھتے ہو۔ ڈاکٹر شہاب خوشی کے ساتھ حیران بھی ہوا۔

ڈاکٹر شہزور اسے بغور دیکھ رہے تھے اس نے محسوس کر کے بولا اگر آپ کو پسند نہیں آیا تو میں شعر واپس لے لیتا ہوں۔ نہیں بھئی ایسی بات نہیں وہ خوش دلی سے بولے۔ اسی وقت ڈاکٹر آصفہ نے کھانا لگنے کی اطلاع دی سب کھانا کھانے چل پڑے وہاں کھانے کے دوران ڈاکٹر شہزور نے ایک شعر اسفند کی طرف دیکھ کر بولا

وہ لڑکی اچھی لڑکی ہے تم نام نہ لو ہم جان گئے

وہ جس کے لانبے گیسو ہیں پہچان گئے پہچان گئے

وہ جن نظروں سے اسفند سے جواب مانگ رہے تھے آنکھوں کے اشارے سے کہا

کیسا؟؟؟؟

بہت اچھا وہ تعریف کرتا بولا

اچھا نہیں اچھی ڈاکٹر شہزور نے اسے ٹوکا

لیکن آپ تو شعر کی بات کر رہے ہیں وہ پر اعتماد مسکراہٹ سے بولا

یہ آپ لوگ کیا کوڈ ورڈز میں بات کر رہے ہیں اچھا اچھی کیا ہے۔ڈاکٹر آصفہ نے مداخلت کی۔

کچھ نہیں یہ ہماری آپس کی بات ہے۔وہ ہنستے ہوئے بولے۔

انہوں نہیں سر اٹھا کر اسفند کو دیکھا جو بڑے سکون سے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔اتنے میں شہاب شعر سنانے لگے سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔آج ہمیشہ سنجیدہ رہنے والے اسفند کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ تھی آنکھیں شرارت اور شوخ نظر آئیں

گہری سی چمک وہ صرف اک پل کیلیے اس سمت دیکھ پائی تھی

"کیا ہوا زوبیہ تم تو کچھ لے ہی نہیں رہیں؟؟"

ڈاکٹر آصفہ نے ڈش اسکی طرف سرکاتے ہوئے خالی پلیٹ دیکھ کر ٹوکا

میں لے چکی آپ نے بہت مزے کا حلیم بنایا ھے

www.neweramagazine.com

...

یہ مختصر سا فقرہ وہ اسوقت کتنی دقتوں سے بول پائی تھی یہ اسکا دل جانتا تھا...

اپنا احمقانہ انداز میں سر جھکانا اور اسفندیار سے نظریں چرانا اسے جتنا بھی برا لگ رہا ہو مگر اسوقت وہ خود کو اس کیفیت سے نکال نہیں پا رہی تھی...

سر جھکائے بھی وہ محسوس کر سکتی تھی کہ بظاہر سب سے باتیں کرتے ہوئے وہ مسلسل اسے فوکس کیے ہوئے ہے اور اسکے چہرے پر بکھرے رنگوں اور گھبرائے انداز کو انجوائے کر رہا ہے...

کھانا کھاتے ہی اسفندیار فوراً چلا گیا وہ اور تاجدار بھی قہوہ پیتے ہی اٹھ گئے...

کہیں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی دونوں کے رویے میں کوئی تغیر نہیں تھا مگر پھر بھی اک انکہی سی بات انکے درمیان میں تھی جو اگر اسے مسرت دے رہیں تھیں تو خوش تو وہ بھی تھا...

بظاہر معمول کے انداز میں کام کرنا روٹین نبھانا مگر جو دل خوشگمانیوں کے حصار میں آ چکا تھا وہ عام سی بات میں سے بھی خاص معنی نکالتا تھا...

جحت اپنا معمول کا چیک اپ کروانے آئی تھے...

"یہ جوڑا مجھے شہباز نے لا کر دیا ہے. شہر گیا تھا کام سے. میرے لیے یہ جوڑا اور چوڑیاں لایا ہے"...

اسنے خوشی خوشی اپنے سرخ رنگ کے ریشمی سوٹ کی طرف اشارہ کیا..

عام گاوں لڑکیوں کی طرح وہ بھی سلکی کپڑوں کو قیمتی اور کاٹن کے کپڑوں کو سستا سمجھتی تھی...

اسے حجت کی معصومیت پر پیار آیا تھا..

اگر وہ کراچی لاہور اسلام آباد کی مختلف بوتیکس میں سے لڑکیوں کو کاٹن کے سوٹ آٹھ دس ہزار میں خریدتے ہوئے دیکھ لے تو شاید پاگل سمجھے گی...

وہ اپنے نئے سوٹ اور چوڑیوں پر بے حد خوش نظر آرہی تھی...زوبیہ اسکا خوشی سے دمکتا چہرا دیکھ کر خود بھی مسکرا رہی تھی...

"میں اچھی لگ رہی ہوں نہ؟؟"

اسکے بچکانہ انداز پر وہ کھل کر ہنس پڑی...

"بہت پیاری بلکل نازک سی گڑیا لگ رہی ہو" ...

اسنے سچے دل سے تعریف کی...

وہ شادی شدہ تھی ماں بننے جارہی تھی مگر تھی تو کم عمر لڑکی،،اسے اسکی خوشی بڑی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فطری لگی...

اسکی خوب تعریف کرنے کے بعد وہ اس سے بہادر کے سلوک کے بارے میں پوچھنے لگی....

"آپکی وجہ سے میرا اتنا تو بھلا ہو گیا کہ اب وہ جب مجھے مارتا ہے تو اماں بچانے آجاتی ہیں.."۔

میرے لیے تو یہ بھی بہت ہے۔ اماں کہتی ہیں کہ جب تو ماں بنے گی وہ بھی بہادر کے بیٹے کی تو وہ بدل جاۓ گا...

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ سنجیدگی سے بولنے لگی...

بس آپ دعا کریں، اللہ مجھے بیٹا دے دے" ...

چلتے وقت وہ اسکے ہاتھ تھام کر بولی...

"میں دعا کرونگی جحت... لیکن بیٹیاں بھی تو پیاری ہوتی ہیں"...

اس نے سمجھانا چاہا...

"نہیں مجھے بیٹا چاہیے.. بیٹی ہوئی تو میری طرح خاوند کے جوتے کھائے گی... روٹی ملے نہ ملے مگر صبح شام خاوند کے جوتے پیٹ بھر کر کھانے کو ملیں گے." ...

وہ بڑے ضدی اور ناراض انداز میں بولی تو وہ خاموش ہو گئی تھی...

بہت دنوں سے اسکا خالہ امی سے کوئی رابطہ نہ ہو سکا تھا، پیسے وہ پابندی سے بھیج رہی تھی مگر وہاں سے کوئی خط نہ کوئی فون...

اس سے پہلے بھی دو مرتبہ خالہ امی کا فون ملانے پر بھی بات نہ ہو سکی...

اسنے انہیں فون کرنے کا سوچا...

مگر فون کرنے پر جو اطلاع اسے ملی، وہ اسکے حواس کو درہم برہم کرنے کیلیے کافی تھی... وہ کتنی دیر تک سکتے کی کیفیت میں سر تھامے بیٹھی رہی...

وہ عورتوں کے وارڈ سے ہو کر واپس آ رہی تھی جب اسے کوریڈور میں پیرامیڈیکل اسٹاف کے چار پانچ افراد کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر آصفہ بھی اک سٹریچر کے پاس کھڑی.

ان لوگوں کو اسطرح جھمگٹہ لگاے دیکھ کر پہلے تو اسے کوئی تعجب نہیں ہوا مگر ذرا قریب آنے پر اسکے نظر کونے میں کھڑے چند علاقائی لوگوں کے ساتھ ساتھ شہباز پر پڑی تو وہ بری طرح چونکی...

اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا...

اسکا وجدان کسی خطرے کی نشان دہی کر رہا تھا...

وہ انتہائی تیز رفتاری سے چلتے ہوئے ان سب کے پاس آئی...

"کیا ہوا ڈاکٹر آصفہ؟؟."

سراسیمگی کے عالم میں اس نے پوچھا.. مگر انکے جواب دینے سے پہلے ہی اسکی نظر سٹریچر پر پڑے وجود پر پڑ چکی تھی...

"حجت..."

وہ چلائی تھی.. کیا ہوا اسے؟؟؟..

خون میں لت پت بیہوش حجت وہ لڑکی لگ ہی نہیں رہی تھی جو اسے دوپہر میں خوشی خوشی اپنا سرخ جوڑا اور سرسبز و سرخ چوڑیاں دکھا کے گئی تھی...

کپڑے تو اب بھی اسکے تن پر وہی تھے مگر کس حال میں...؟؟؟

"اسکے پیٹ میں گولی لگی ہے..."

ڈاکٹر آصفہ نے اسکی کیفیت دیکھتے ہوئے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستگی سے بتایا...

"گولی"

اسکا دل اندر ہی اندر ڈوبا... کیسے؟؟ کس نے ماری اسے گولی"؟

وہ اسکی نبض چیک کرتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخی تھی...

"اور آپ نے اسے یہاں کیوں رکھا ہوا ہے؟؟؟آپریٹ کریں... گولی نکالیں.."

"حجت آنکھیں کھولو دیکھو میں تمھارے پاس ہوں میں تمھیں بچا لونگی... تمھیں زندہ رہنا ہے حجت... ہمت سے کام لو..."

سب لوگ اسے چیختے چلاتے تعجب سے دیکھ رہے تھے...

ڈاکٹر شہزور کو وارڈ بولتے بلا کر لے آیا تھا جبکہ اسفندیار کو ڈاکٹر آصفہ نے خود فون کر کے فوراآنے کے لیے کہا تھا..

"ہٹیں اک طرف.."

ڈاکٹر شہزور لوگوں کو ہٹاتے بولے...

سخت ترین بے بسی کے عالم میں اسکے نظر سامنے سے تیز قدم اٹھا کر اسطرف آتے اسفندیار پر پڑی تو وہ بھاگتی ہوئی اسکے پاس آئی تھی...

"حجت کو بچالیں پلیز"

وہ التجائیہ انداز میں اسکا بازو پکڑ کر بھرائی آواز میں بولی تھی...

وہ بے لچک اور مضبوط انداز میں بولتا آپریشن کی تیاری کا حکم دیتا فوراوہاں سے چلا گیا تھا...

اسٹریچر آپریشن تھیٹر کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ خود بھی وہاں کی طرف بڑھی...

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ تینوں مخصوص گاونز اور گلوز پہن کر آپریشن شروع کرنے لگے ارد گرد نرسیں اور
اسٹاف بھی موجود تھا...
اسکے لب تیزی سے ہل رہے تھے ہر وہ دعا جو اسے یاد آرہی تھی وہ پڑھ رہی تھی..
اچانک سے ڈاکٹر شہر وز اور اسفندیار کے ہاتھ رک گئے...ڈاکٹر آصفہ نے اک دکھ
بھری نگاہ حجت پر ڈالی تھی...
اور ہاتھ لٹکا کر یوں کھڑی تھیں جیسے اب کچھ نہیں ہو سکتا...
ڈاکٹر شہزور آہستی آواز میں شاید اسفندیار سے بولے..."گولے جس اینگل سے لگی
اور پھر جتنا خون بہ گیا اتنی دیر بھی یہ زندہ رہ لیں یہ معجزہ ہی ہے...
ورنہ موت تو پہلے ہو جانی چاہیے تھے...
اسکے کان سائیں سائیں کرنے لگے "موت"
ڈاکٹر آصفہ اسکی طرف بڑھی تھیں ابھی وہ اسکے پاس آکر کہیں گی خجستہ مر گئ..
وہ کیسے سنے گی انکو آتا دیکھ کر وہ تیزی سے باہر کی طرف بھاگی تھی...
وہ سب کے درمیان راستہ بنا کر لوگوں کو چیرتی ہوئی اندھا دھند بھاگ رہی تھی...
بے دھیانی میں بھاگتے اسے ٹھوکر لگی اور وہ بے اختیار گری تھی..
"زوبیہ"

کوئی اسے آواز دے رہا تھا...

پتہ نہیں وہ کتنی ہی دیر کوریڈور کے فرش پر اپنا سر گھٹنوں میں چھپائے روے جا رہی...

زوبیہ بچے صبر کرو اسے اسی طرح جانا تھا..، جلد یا دیر مگر جانا تو ہے...، ہمیں بھی جانا ہی ہے...

ڈاکٹر شہزور اسکے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسے سمجھا رہے تھے..

منجمد آنکھوں سے وہ ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی.

ان لوگوں کے پاس سے سٹریچر پر سفید چادر سے ڈھکا ہوا وجود گزرا تو اس نے اپنی آنکھیں مضبوطی سے بند کر لی تھیں.

"میں نے آپ سے کہا تھا میں ایسی جگہ چلی جاؤنگی جہاں کبھی بھی کوئی مجھ پر ظلم نہیں کر سکے گا، دیکھیں میں جا رہی ہوں" اس وجود سے آواز آئی تھی.

"خجستہ، رک جاو میری بات سنو". وہ اسکے پیچھے بھاگنا چاہتی تھی مگر ڈاکٹر شزور نے اسے مضبوطی سے ہاتھ پکڑ کر روک لیا تھا. اگلے لمحے وہ ان کے سینے پر سر رکھے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی.

"صبر کرو بیٹا!" وہ اسکا سر تھپک رہے تھے.

"آپ کچھ نہیں جانتے ڈاکٹر شہزور! کچھ بھی نہیں، وہ میرے لئے کیا تھی. میں اسے

زندگی سے پیار کرنا سکھا رہی تھی. اس کی کھوئی ہنسی لوٹانے کی کوشش کر رہی تھی مگر سب ختم ہو گیا" .

اسے نہیں پتا تھا کون اسے دیکھ رہا ہے، کون وہاں ہے، کون نہیں. اسے بس خود اپنی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی.

زوبیہ! تمھیں وہاں جانا ہے. کیا آخری بار اسے نہیں دیکھو گی. ڈاکٹر آصفہ بیڈ پر اسکے سرہانے بیٹھی مسلسل اسے سمجھا رہی تھیں. وہ کسی سے کچھ نہیں بول رہی تھی. بس آنسو تھے کے متاواتر بہے چلے جا رہے تھے.

چارپائی پر بے جان پڑے اس جسم کو کل اس نے سرخ لبادے میں ہنستے کھلکھلاتے دیکھا تھا.

"گولی مارتے ہی بھاگ گیا تھا بہادر! پتا نہیں کہاں سے اسکے دوست اسے واپس بلا کر لائے ہیں کہ اگر بھاگے گا تو قتل کا الزام ثابت ہو جائے گا، پولیس سے تو یہ کہا ہے کہ پستول کی صفائی کر رہا تھا، غلطی سے پستول چل گئی اور سامنے بیٹھی خجستہ کو لگ گئی. ویسے لگتا ہے چکر کچھ اور ہی ہے، شاید اسکا شہباز سے کچھ چکر تھا اور یہ بات بہادر کو پتا چل گئی تھی" .

"بند کرو بکواس."

وہ ان عورتوں پر چلائی تو آس پاس بیٹھے تمام لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے.

ڈاکٹر آصفہ نے اسکا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کسی جارحانہ عمل سے روکا تھا.

"اگر وہ جماعت کی وجہ سے الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہیں تو تم تو سمجھداری سے کام لو.

"انہوں نے اسے ٹوکا تھا.

...اس کے ماں باپ، بہن بھائی آنسو بہا رہے تھے، اسکا دل چاہا کہ اسکے باپ کو دھکے دے کر وہاں سے نکال دے اور کہے "تمھیں اسکی موت پر ایک آنسو بہانے کا بھی حق نہیں صرف دس ہزار روپوں کے لئے تم نے بیٹی ایک ظالم کو سونپی تھی، اب ٹسوے بہا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو."

بہادر پولیس کی تحویل میں تھا، پولیس اس کا بیان، ڈاکٹری رپورٹ اور اس وقت گھر پر موجود لوگوں کے بیان قلم بند کر رہی تھی.

"مجھے کیا پتا تھا، میرا لایا ہوا جوڑا اس کی موت کا سبب بن جائے گا، وہ اسکے کردار پر شک کرتا تھا، ہم لوگ اچھی طرح بولتے تھے تو اسے غصہ چڑھتا تھا. اسے اپنی زیادہ عمر کا بہت احساس تھا اسی لئے وہ اسے دبا کر رکھتا تھا.، لیکن وہ یہ سب کر جائے گا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا. اگر پتا ہوتا تو کبھی اسکے لئے کوئی تحفہ نہ لاتا. بس اسکے نئے کپڑے

دیکھ کر اسے آگ لگ گئی تھی، مجھ سے بھی لڑا تھا کے میں اپنی بھابھی پر گندی نظر رکھتا ہوں بات بڑھتے بڑھتے زیادہ بڑھ گئی تھی کہ خجستہ بھی چیخنے لگی تھی. میں اور اماں تو دیکھتے ہی رہ گئے اور بہادر نے نیفے میں پھنسی ہوئی ریوالور نکال کر اس پر فائر کر دیا...

شہباز سرگوشی میں آہستہ آہستہ کل کا سارا واقعہ سنا رہا تھا اسے اور ڈاکٹر آصفہ کو.

"کاش میں نے اسے اپنے پاس روک لیا ہوتا. بس چار گھنٹے اور اسے اپنے پاس روکے رکھتی. وہ گھڑی ٹل جاتی تو اسے واپس گھر بھجوا دیتی. لیکن نہیں اسے واپس ہی نہ بھجوا دتی اپنے پاس ہی رکھ لیتی اسے وہاں کبھی بھی نہیں جانے دیتی" وہ خود سے کہہ رہی تھی...

اسکے اندر زندہ رہنے کی خواہش ہی دم توڑ گئی.

اس روز کے بعد اس نے خجستہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی. اندر ہی اندر وہ خود بھی ختم ہو رہی تھی..

اب زندگی میں کبھی کوئی روشن پل نہیں آئے گا. اب زندگی کبھی کوئی مدھر گیت نہیں گائے گی...

چوتھے روز وہ خود کو زبردستی گھسیٹ کر ہاسپٹل لے آئی تھی.

کسی نے براہ راست اس بارے میں اسے کوئی بات نہیں کی تھی، مگر سب اسے ترحم بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے. آج بچوں کو کہانیاں سناتے ہوئے اسکا دل کر رہا تھا کہ آخر میں کہانی کا اختتام ہی بدل دے.

"پھر سنڈریلا آخر میں اکیلی رہ جاتی ہے. کوئی شہزادہ اسے لینے نہیں آتا."

"سنو واہٹ زہریلا سیب کھا کر مر جاتی ہے پھر شہزادے کے جگانے پر بھی نہیں اٹھتی"

بچے اس جادو گرنی کے مکان پر پہنچتے ہیں جسپر بڑے بڑے کیک، چاکلیٹس اور خوب ساری آئس کریمز لگی ہوتی ہیں تو جادو گرنی انھیں اندر بلا کر کھولتے تیل والی کڑھائی میں ڈال دیتی ہے اور وہ دونوں بہن بھائی جل کر مر جاتے ہیں" .

"ہاں یہی زندگی کی سچائی ہے، زندگی بہت بے رحم اور ظالم ہے، اس سے خوش امیدی وابستہ کرنا بے کار ہے" .

وہ سست قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی، جب چوکیدار اسے ڈھونڈتا ہوا اسی طرف آیا تھا..

"آپ کو ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں" مردہ قدموں سے چلتی ہوئی چوکیدار کے پیچھے

گیٹ تک آ گئی تھی...

اسفند یار جیپ میں بیٹھا اسکا انتظار کر رہا تھا..

"بیٹھیں"..اسے دیکھ کر دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ عام سے انداز میں بولا،

"کہاں جانا ہے.؟"..اس نے بے دلی سے پوچھا تھا.

"اِک ضروری کام سے جانا ہے، آپ جلدی سے بیٹھیں..."

وہ اگنیشن میں چابی گھماتا ھوا اس کی طرف دیکھے بغیر گویا ہوا تھا، وہ مزید سوال جواب کیے بغیر جیپ میں بیٹھ گئی.

"کوئی پوچھے تو کہنا کسی ضروری کام سے گ ئے ہیں، واپسی پر تھوڑی دیر ہو جائے گی".

وہ گاڑی فرسٹ گئیر پر ڈالتے ہوئے چوکیدار سے بولا..

خاموشی سے ڈرائیو کرتے ہوئے اسنے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا..

اس نے ایک دوبار الجھی نظریں اس پر ڈالی تھیں آخر وہ اسے کہاں لے کر جا رہا تھا..

....ایک گھنٹے کی تیز ترین ڈرائیو کے بعد اس نے جیپ درختوں کے جھنڈ کے نیچے روکتے ہوئے اسے نیچے اترنے کے ل ئے کہا تھا. وہ اتر تو آئی تھی مگر اب حیرت سے اس

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ویران جگہ کو دیکھ رہی تھی۔ ۔

وہ آگے بڑھا تو وہ بھی اسکے پیچھے چلنے لگی تھی.. سامنے بہتی جھیل کے پانی اور ہوا سے ہلتے درختوں کے پتوں کے سوا وھاں دور دور تک کوئی آواز نہیں تھی. جھیل کے کنارے پہنچ کر وہ درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ گیا تھا اسے بھی اشارے سے بیٹھنے کا کہا گیا تھا، وہ بے دلی سے اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئ.

کچھ دیر وہ یوں ہی پاس پڑے چھوٹے چھوٹے پتھر پانی میں اچھالتا اور بھنور بنتے دیکھتا رہا..

"کیا بات ہوئی ہے زوبیہ ؟؟"اس نے اچانک اسکی طرف رخ کر کے سوال کیا تھا..

سوال میں چھپے معنی دھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی خجستہ کے مرنے کے علاوہ کوئی بات ہوئی ہے تمھاری بات تمھاری اپنی زندگی کی کوئی بات وہ اپنے مستحکم انداز میں کہہ رہا تھا کہ وہ دھک سی رہ گی تھی.

تم مجھے نہیں بتاو گی مجھ سے شئیر کرو گئ زوبیہ کیا ہوا ہے پلیز مجھے بتاو وہ اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر بڑے اصرار سے بول رھا تھا. وہ جواب میں اس سے بولنا چاہتی تھی اپکو غلط فھمی ہو رھی ھے. میرے ساتھ کچھ نہیں ھوا کوی پرابلم نہیں ھے میرے

ساتھ مگر بجاے یہ کہنے کہ اس کے منہ سے ایک مختلف جملہ نکلا تھا "میری خالہ امی مر گی" جملہ مکمل کرتے کرتے وہ رو پڑی تھی. جواباً اس نے ایک گہری سانس لے کر آھستگی سے پوچھا تھا

کب؟

پانچ مہینے ھو گے اور مجھے چار روز پہلے پتا چلا کہ مجھ سے تھوڑی بہت مصلحت آمیزی سہی محبت کرنے والی واحد ھستی تھی اس دنیا سے رخصت ہو گی وہ گھٹنوں پر سر رکھ کر روتے ہوے بول رہی تھی. اس نے تسلی دینے والے انداز میں اس کے کندھے پر ھاتھ رکھا تھا مگر اسے چپ کروانے کی کوشش نہیں کی تھی

میں ھر مہینہ انھیں پیسے بھیجا کرتی تھی کبھی ڈاکٹر رتاجدار سے منی آرڈر کرواتی. کبھی اسٹاف کے کسی اور بندے سے کہ سب کو پتا رھے کہ میں بے آسرا اور بے ٹھکانا نہیں. پیچھے میرا ایک گھر ہے کچھ لوگ ہیں میرے اپنے جنہیں میری پرواہ ہے پچھلے پانچ مہینوں سے اس طرح میرے بھیجے ھوے پیسے موصول ھوے جا رھے تھے. خالہ امی پڑھی لکھی نہں تھی وہ شملہ سے خط لکھواتی تھی اس کی شادی کے بعد ان کے خط انا بند ہو گے تو میں حیران نہیں ہوئ. مینے اس دوران دو بارہ فون کیا تو بھابی نے کہا نہا رہی ہیں یا بازار گی ہیں اور مینے ان کی بات سچ مان لی پھر اس روز جب مینے فون کیا تو بھائی کے

بجائے ملازما نے فون اٹھایا اور میرے پوچھنے پر مجھے یہ خبر سنائ تھی

وہ زارو قطار روتے ہوے اسے بتا رہی تھی اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا بلکہ اپنا ھاتھ بھی واپس ہٹا لیا تھا. بہت دیر تک روتے روتے وہ خود ہی چپ ہو گئ تھی گھٹنوں پر سے سر اٹھا کر چہرہ ڈوپٹے سے خشک کرتی وہ اپنے سچ بولنے سے زیادہ اس کے صحیح بات کھوج لینے پر حیران تھی

تمھیں حیرت ہو رہی ہے ک مجھے یہ کیسے پتا چلا بات یہ ہے زوبیہ خلیل کہ جن کی ھمیں بہت پرواہ ہوتی یے ھم ان کے چہرے پر لکھا ھر تحریر پڑھ لیتے ھیں تم خجستہ سے بہت پیار کرتی تھی مجھے پتا ھے مگر اس روز تمھارا ابنارمل رویہ دیکھ کر مجھے لگا شاید تم پہلے ھی کسی صدمے کے زیر اثر ھو اور دوسرا صدمہ تم سہ نہیں پار ھی مجھے ایسا لگا تھا کہ کوئی دو دکھ ھیں جو آپس میں مل گے ھیں اور جنھوں نے تمہیں اس طرح تور پھوڑ دیا ھے. وہ اس کی طرف دیکھتے ہوے رسانیت سے کہہ رہا تھا

ہاں دو دکھ تو ہیں ایک خجستہ کے مرنے کا اور دوسرا زوبیہ خلیل کے مرنے کا اور وہ پہلی بار نہیں مری اس سے پہلے بھی کئ بار مر چکی ھے اپکو پتا ھے زوبیہ مر گی اس دن خجستہ کی لاش دفن ھوئی اور اس کی ہر آس ھر امید ھر خواہش سب دفن ھو گی اب میرا کوئی گھر نہیں میں اکیلی ھوں میرا کوئی نہیں بلکل تنہا میں سوچتی تھی کہ کوئ مشکل پڑی کوئی

الجھن آئی تو کم از کم خالہ امی کا گھر تو مجھے ضرور پناہ دے گا وہ بھی ختم ہو گیٔ اور کسی نے بتایا تک نہیں میں اتنی قابل نفرت تھی اتنی بیکار ھستی تھی کہ مجھے کسی نے اطلاع دینا بھی ضروری نہیں سمجھا وہ تاحد نگاہ پھیلی ہوئی جھیل پر نظریں مرکوز کیے عجیب سی بے بسی میں گھرے بول رہی تھی.

تم اکیلی نہیں ھوزوبیہ میں تمھارے ساتھ ہوں اس کا ہاتھ تھامے ھوے اس نے یقین دلایا تھا. آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے ڈاکٹر راسفند کچھ نہیں اگر میری سچائی جان لیں تو دوبارہ شاید کبھی

Pg 157ya 156 ha

اس نے بات کاٹ دی تم کل کیا تھی تمارا کیا ماضی تھا۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑھتا اس لیے کے جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں تو اسے خامیوں خوبیوں سمیت قبول کر لیتے ہیں محبت میں سورے بازی نہیں ہوتی۔ وہ بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اتنا اندھا اعتماد اتنا اندھا بھروسہ اس کے دل کی عجیب کیفیت تھی۔

آپ بس مجھے پچھلے ڈیرھ سال سے مجھے جانتے ہیں پھر بھی یہ سب کہہ رہے ہیں۔ آپ کو کیا معلوم میری زندگی کے پیچھے کتنے باب سیاہ تھے میں نے آپ لوگوں سے کیا کیا

جھوٹ بولے۔آپ کو پتہ چلے تو حیران رہ جائیں۔بظاہر ایماندار سچی لڑکی کتنی دھوکے باز ہے۔میں نے آپ لوگوں سے کہا میرے ماں باپ مر چکے ہیں ساری دنیا میں ایک خالہ کے علاوہ کوئی نہیں مگر نہ وہ میری سگی خالہ تھی نہ میں کراچی تنہا رہنے کے ڈر سے ان کے پاس پشاور گئی۔کیا آپ سوچ سکتے ہیں میرا کراچی میں ایک گھر ہے جہاں میرے دو بھائی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔

وہ گھر جہاں پیدا ہوئی پلی بڑھی جوان ہوئی ایسا کیا ہوا کے باپ کا گھر چھوڑ کر خالہ کے پاس آگئی۔وہ بہت بے رحمی سے بول رہی تھی۔

میں یہ بات بہت پہلے سے جانتا ہوں۔وہ اطمنان سے بولا وہ اسکی طرف دیکھتی رہ گئی۔

تم نے گھر کیوں چھوڑا وجہ نہیں پتہ مگر جب سے تم نے جوائن کیا تب سے سب جانتا ہوں۔کہ تمہارے دو بھائی اچھے گھر میں ہیں باپ کا گاڑیوں کا شوروم تھا۔جسے اب تمہارے بھائی چلا رہے ہیں۔انٹرویو کے وقت جیسے کے بتا چکا آپ بہت پر خلوص لگی تمھارا اس بات پر گڑ بڑا جانا کے تم کیوں یہاں جاب کرنا چاہتی ہو مجھے کھٹکا ایسے جیسے بہت کچھ چھپا رہی ہو۔تمہارے ڈاکومنٹس سے کراچی کا لینا کوئی مشکل نہیں تھا ۔تمہارے بارے میں درست معلومات لینا چاہتا تھا اور لی بھی ایک لڑکی اپنا گھر چھوڑ کر اپنی باتیں چھپاتی ہے پھر بھی میں نے تمہیں اپائنٹمنٹ میں رہنے کی اجازت دی۔اتنے

ٹائم میں جو میں نے جانا میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔

وہ شروع دن سے اس کے جھوٹ کو جانتا تھا۔

اس سے زیادہ تو آپ یقیناً کچھ نہیں جانتے۔میرے ماضی کے بارے میں اس نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے کہا۔اسفندیار خاموش بیٹھا رہا۔

پھر آج آپ زوبیہ خلیل کا ماضی جان لیں۔اور میں سب سچ بتاؤں گی اس لیے نہیں کے آپ مجھے جرت مند سمجھیں اس لیے کے کوئی اگر بتائے گا کن الفاظ میں بتائے وہ میں سہہ نہیں پاؤں گی۔

میرے گھر میں ابو بہت پیاری امی تھی میرے ابا کراچی یونیورسٹی میں پڑھے ایم کیا ہوا تھا مگر تعلیم ہونے کے باوجود انتہا پسند تھے بہت سخت ظالم شوہر تھے۔امی ہر وقت ڈرتی کے کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف نہ ہو جائے۔

ان کے مزاج کے خلاف بات ہو جاتی زمین آسمان ایک کر دیتے۔امی کا کسی کے گھر جانا ملنا خاص کر مرد رشتہ داروں کا انا جانا برداشت نہیں ہوتا تھا

۔ان کے رویے سے خائف ہو کر لوگوں نے خود ہی ہمارے گھر آنا چھوڑ دیا۔امی بازار نہیں جا سکتی تھیں۔وہ امی کی اور ہم بہن بھائیوں کی ساری خریداری خود کر کے لے آیا کرتے تھے۔ہمارے گھر میں روپے پیسے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا،ابی کا شوروم بہت اچھا

چل رہا تھا اس کے علاوہ ان کی طارق روڈ پر تین دوکانیں تھیں، جہاں سے ہر ماہ ٹھیک ٹھاک کرایہ آجایا کرتا تھا، گھر میں تین تین گاڑیاں تھیں مگر اس کے باوجود امی بہت چپ چپ اور بجھی ہوئی رہتی تھیں۔ انہوں نے شوہر کی خدمت میں خود کو مٹا ڈالا تھا مگر ابی پھر بھی معمولی سی بات پر انہیں زلیل کر کے رکھ دیا کرتے تھے۔ ہم بہن بھائیوں کے سامنے کسی آئے گئے کے سامنے، جب وہ کسی کے سامنے شدید طیش کے عالم میں چیخ چیخ کر امی کو برا بھلا کہتے تو وہ مجھے بہت برے لگتے تھے۔

امی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ صرف ہم تینوں بہن بھائیوں کی سے ہی آیا کرتی تھی۔ وہ ہم لوگوں سے بہت پیار کرتی تھیں، مجھ سے تو بہت ہی زیادہ، میں اپنے بھائیوں سے بہت چھوٹی تھی، میں سات سال کی تھی جب ابی نے ریحان بھائی کی شادی طے کر دی تھی، امی ان دنوں بہت بیمار رہنے لگی تھیں،

جب شیما بھابھی رخصت ہو کر ہمارے گھر آگئی تھیں۔ ابی کے لئے ان کی بیماری ڈرامہ بازی اور ڈھکوسلہ تھی، وہ ابی سے چوری چھپے کبھی ریحان بھائی،

کبھی فرمان بھائی کے ساتھ ڈاکٹر کو دکھا آتیں۔ ڈاکٹر مختلف ٹیسٹ بتاتا، دوائیں دیتا وہ دوائیں تو کھا لیتیں، مگر ٹیسٹوں وغیرہ کیطرف توجہ نہ دیتیں۔ شاید ابی کے نظر انداز کرنے کی سزا وہ اپنے آپ سے لی رہی تھیں، مگر پھر ایک روز ایسا آیا جب ابی کو بھی

www.neweramagazine.com

یہ ماننا پڑا کہ وہ ڈرامہ نہیں کر رہی ہیں، مگر جب انہوں نے یقین کیا اس روز میری ماں سفید کفن اوڑھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں چھوڑ کر جا چکی تھی

چند دن ابی کے ندامت میں گزرے، انہیں تھوڑا بہت ملال ہوا کہ بیوی کے علاج معالجے پر مناسب توجہ کیوں نہ ری۔ امی سے جو خدمتیں کروانے کی عادت ہو گئ تھی۔ اس کی وجہ سے بھی ان کی کمی بہت محسوس ہوئی، مگر پھر آہستہ آہستہ انہوں نے اس ماحول میں ایڈ جسٹ کر لیا۔

شیما بھابھی جنہیں بیاہ کر آئے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے، امی کے بعد گھر کا سارا نظم و نسق ابی نے ان کے ہاتھ میں سونپ دیا تھا۔ وہ ابی کے خوب آگے پیچھے پھرتی تھیں۔ انکا بہت خیال رکھتی تھیں اسی لیے کچھ ہی عرصے میں ان کی پسندیدہ ترین شخصیت بن گئی تھیں۔

امی کی جن خدمتوں کو وہ درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے، بھابھی انکا نصف بھی کرتیں تو وہ تعریفوں میں زمین آسمان ایک کر دیتے۔ شاید اس لئے کہ وہ تو بیوی تھیں، بیوی جو پیر کی جوتی ہوتی ہے اور شیما بھابھی تو انکا خون تھیں، ان کی سگی بھانجی، لاڈلی بہن کی اولاد، ابی گھر کا ہر کام شیما بھابھی کے مشورے سے کرنا پسند کرتے تھے۔ میرے ساتھ شیما بھابھی کے تعلقات نارمل سے تھے۔ میرا اپنا لگا بندھا روٹین تھا، جس سے ہٹنے کا تصور

بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں ان کے لیے کسی بھی قسم کی تکلیف کا باعث نہیں تھی۔ ساڑھے سات، آٹھ سال کی بچی سے انہیں پر خاش ہو بھی کیا سکتی تھی۔

ابی کا ہم لوگوں پر غیر معمولی احسان یہ تھا کہ ہم بہن بھائیوں کو اچھے تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوائی تھی، مگر ریحان بھائی اور فرمان بھائی دونوں ہی کو پڑھنے کا زیادہ شوق نہیں تھا۔ اس لیے گریجویشن کر کے ان کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو گئے تھے۔ میں بھی کوئی بہت اچھی زہین طالبہ نہیں تھی، بس گزارے لائق پاس ہو جایا کرتی تھی۔ ہر بار رپورٹ کارڈ دیکھتے ہوئے ابی کا پارہ آسمان پر چڑھ جایا کرتا تھا۔

ساری کی ساری اولاد کند زہن ہے، کسی ایک کو بھی تعلیم کا شوق نہیں۔

میں بڑی ہو رہی تھی، ابی کے خوف ک باوجود میرے اندر بہت سی معصوم معصوم سی خواہشیں جنم لینے لگی تھیں۔ میرا دل چاہنے لگا تھا کہ میں بھی اپنی دوستوں کی طرح اپنی شاپنگ اپنی پسند سے کیا کروں، میری وارڈروب کپڑوں سے بھری ہوئی تھی مگر ان میں میری پسند کا ایک بھی کپڑا نہیں تھا۔ سارے کے سارے ابی اور شیما بھابھی کے پسند کے کپڑے تھے، اسکول کے علاوہ مجھے کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میری کسی روست کے گھر کوئی فنکش ہوتا یا اسکول میں کوئی پکنک، پارٹی ہوتی میرے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار میری. بیسٹ فرینڈ کرن کی بر تھ

ڈے پارٹی تھی۔اس نے بڑے اصرار اور خلوص سے مجھے انوئیٹ کیا۔میں نے اس کے اصرار سے مجبور ہو کر، جب اسے یہ بتایا کہ مجھے کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں تو میرے پیچھے لگ گئی کہ وہ ابی سے خود بات کر کے مجھے اجازت دلوائے گی۔جب وہ ہمارے گھر دعوت دینے آئی اپنی ممی ڈیڈی کے ساتھ تو ابی ان لوگوں سے جتنے روکھے پھیکے اور سرد انداز میں ملے اسے دیکھتے ہوئے وہ لوگ تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے۔ان کے جاتے ہی ابی جو میرے اوپر چیخے چلائے اور برا بھلا کہا تو جب تک شیما بھابھی نے آکر بیچ بچاؤ نہیں کرایا چپ نہیں ہوئے۔اں کی طرح سیر سپاٹوں کی شوقین ہے۔اسکول پڑھنے بھیجتا ہوں یار شتے داریاں کرنے، آج کے بعد کسی دوست کے گھر جانے کی بات کی یا کوئی ہمارے گھر آیا تو گھر بٹھالوں گا۔" انہوں نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا۔

مجھے اس سب کا پہلے ہی اندازہ تھا۔اگلے روز میں اسکول گئی تو کرن نے بات چیت تو درکنار مجھ سے ہاتھ تک نہیں ملایا تھا۔اس کی اور اس کے والدین کی ہمارے کی ہمارے گھر جو عزت افزائی ہوئیتھی اس کے بعد اس کا ناراض ہونا بالکل جائز تھا، میرے بہت معزرت کرنے پر بھی اسکا دل صاف نہیں ہوا تھا، مجھے چھوڑ کر اس نے دوسری فرینڈز بنالی تھیں۔

www.neweramagazine.com

تب زندگی میں پہلی مرتبہ میرے دل میں ابی کے لیے نفرت پیدا ہوئی تھی

۔ابی، اپنا گھر اور گھر کا ماحول مجھے سب سے سخت نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

مجھے ایسا لگتا میں کسی قید خانے میں زندگی گزار رہی ہوں۔ جس سے چند گھنٹوں کے

لیے چھٹکارا مجھے صرف اسکول جا کر ہی نصیب ہوتا تھا۔میری دوستیں

فلموں، ڈراموں، فیشن، کپڑوں، کرکٹرز، فلم ایکٹرز اور ان کے اسکنڈلز کے بارے

میں باتیں کرتیں اور میں ایک طرف خاموش بیٹھی انہیں دیکھتی رہتی۔

"کیوں زوبیہ! تمہیں عامر خان کیسا لگتا ہے؟" ایک کلاس فیلو پوچھتی تو دوسری اسے

ٹہوکا دیتے ہوئے کہتی۔

"ارے اس سے کیا پوچھ رہی ہو، وہ سمجھ رہی ہوگی کہ شاید عامر خان تمہارے کسی

کزن کا نام ہے۔"

اس کے کومنٹس پر سب کھلکھلا کر ہنس پڑتیں۔ میرے ایک دفعہ کے بتا دینے پر کہ

ہمارے گھر ٹی وی نہیں، اب وہ لوگ اسی طرح میرا مزاق اڑاتی تھیں، کافی کچھ انہیں

کرن نے بھی بتا دیا تھا۔ وہ لوگ پیٹھ پیچھے تو میرا اور بھی مزاق اڑایا کرتی تھیں۔ میں دن

بدن احساس کمتری کا شکار ہوتی جا رہی تھی، ٹین ایج میں انسان یوں بھی اتنا باشعور تو

ہوتا نہیں اس لیے میں کلاس فیلوز کے معمولی معمولی مزاق کو لے کر بھی گھنٹوں کڑھا

کرتی۔

کورس کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب اگر ابی کو غلطی سے بھی میرے ہاتھ میں نظر آجاتی تو وہ شاید مجھے قتل کر دیتے۔ایک مرتبہ انہوں نے مجھے کامک بک پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا، جو میں اسکول کی لائبریری سے ایشو کروا کے لائی تھی تو انہوں نے کتاب تو اٹھا کر دور پھینکی ہی تھی۔ میرے منہ پر بھی ایک زوردار تھپڑ مارا تھا۔تب سے ہی میں نے کورس کی کتابوں کے علاوہ کسی دوسری کتاب کو ہاتھ لگانے سے توبہ کر لی تھی۔

فرمان بھائی کی شادی ہو گئی اور نجمہ بھابھی ہمارے گھر آ گئیں تو میرے ان تمام احساسات کو اور ہوا ملی۔وہ ہمارے رشتے داروں میں سے نہیں تھیں، بلکہ ابی کی دوست کہ بیٹی تھیں۔اور انکے آتے ہی ہمارے گھر کے رنگ ڈھنگ میں بہت سی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ وہ ٹی وی جہیز میں لائی تھیں۔ جو ان کے کمرے میں چلتا تھا۔اور ابی نے اس بات پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔میرا دل چاہتا تھا میں بھی ابی سے چوری چھپے ان کے کمرے میں جا کر ٹی وی دیکھوں۔ مگر وہ مجھے، جینا اور فرخ کو بالکل منہ نہیں لگاتی تھیں۔ شیما بھابھی کو دیکھ کر بھی ان کی تیوری پر بل ہی پڑے رہتے تھے۔شیما بھابھی یہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں کہ دیورانی سے پیچھے رہ جائیں، فورا" ہی انہوں نے ابی کو پتا نہیں کس طرح رام کیا تھا کہ ریحان بھائی ان کے لیے بھی ٹی وی

لے آئے تھے۔اب وہ اپنے بچوں اور ریحان بھائی کے ساتھ آرام سے کمرے میں بند ہو کر فلمیں دیکھتیں، گانے سنتیں یعنی ساری پابندیاں اور تمام اصول صرف میرے لیے تھے۔ہماری ایک رشتے کی پھپھو جو زرا منہ پھٹ قسم کی تھیں،انہوں نے یہی بات ابی کے منہ پر بول کر میرا دل خوش کر دیا تو ابی بڑے مطمئن انداز میں بولے

بہووں پر میں اپنا زور نہیں چلا سکتا,وہ تو پرائی ہیں. مگر بیٹی پر تو مجھے پورا پورا حق حاصل ہے,ریحان اور فرمان کی بیویوں اجازت دے دینے کا مطلب نہیں کہ میں اس سب پر خوش ہوں اگر میں منع کر دیتا تو بہووں کے ساتھ بیٹے بھی ناراض ہو جاتے ویسے بھی آج کل کے لڑکے زیادہ زن مرید ہو گے. ہماری طرح تھوڑی کہ بیوی کو اس کی اوقات یاد دلا دوں تمہیں. یہ تو بات بھی بیوی کا موڈ دیکھ کر کرتے ہیں کہ کس وقت کون سی بات بیگم صاحبہ کو ناگوار گزر سکتی ہے.

اپنی اپنی اس تاویل سمیت مجھے اور بھی زہر لگے تھے. نجمہ بھابھی اور سیما بھابھی اپنی اپنی شاپنگ اپنی مرضی سے کرتیں بازاروں میں پھرتیں آپی کچھ نہ کہتے یہاں تک کہ شیما بھابھی چھ سالہ حنا کو بھی اس کی پسند کی شاپنگ کروا کر لانے لگیں.

جب تک خریداری آپی کے ہاتھ میں تھی چاہیے رنگ اور پرنٹ اچھا نہ لگے مگر کپڑا کئ

کوالٹی تو اچھی ہوتی تھی.

یہ کیسی زندگی تھی مجھے اپنی زندگی جہنم محسوس ہوتی تھی. میری زندگی کا ہے وہ مقام ہے جہاں میں حجت میں اپنا عکس دیکھتی ہوں. فرق سرف یہ ہے کہ میں غیر شادی شدہ تھی. اچھا کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور وہ شادی شدہ ہر غریب تھی .ان تمام حالات سے نالاں ہو کر جو کچھ میں نے کیا میں نہیں چاہتی تھی. حجت بھی اپنے لے ایسا ہی کوئی چور دروازہ تلاش کرے. اسے بھی چودہ سال کی عمر میں پچاس سال کے بڑھے سے بیاہ کر یہ کہا گیا تھا کہ اب تم چودہ کے سن سے نکل کر پچاس کے سن میں داخل ہو جاؤ اور مجھ سے بھی بچپن کی معسومان اور بے سرر خواہشات چھین کر بڑھاپا طاری کرنے کو کہا گیا.

پھر ان دنوں جب میں اپنی زندگی سے مکمل طور پر مایوس ہو چکی تھی اچانک ہی بہت بڑی تبدیلی آ گی. رمیز ناصر نام تھا اس کا میری پہلی دفعہ اس سے اتفاقاً ٹیلی فون پر بات ہوئی تھی. وہ فون کہیں اور کر رہا تھا لیکن غلطی سے فون ہمارے گھر مل گیا تھا اس وقت تو اس نے شائستگی سے معذرت کر کے فون بند کر دیا تھا مگر اگلے روز جب اس کا دوبار فون آیا اور اتفاق سے میں نے ہی اٹینڈ کیا تو وہ مجھ سے بات کرنے کی خواہش کا اظھار کرتے ہوئے کہنے لگا.

"کل آپ سے بات کرنے کے بعد سے میں مسلسل ڈسٹرب رہا ہوں.

ایسی مدھر اور کانوں میں رس گھولنے والی آواز تو میں نے آج تک نہیں سنی. اب چاہئے آپ کو میرا دوبارہ فون کرنا برا ہی لگا ہو مگر میں خود کو روک نہیں پایا" ..

میں جوانی کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھ رہی تھی. ساڑھے چودہ سال کی عمر میں مرد اور محبت دونوں میری سمجھ سے باہر کی چیزیں تھیں مگر پھر بھی اس کی باتیں سن کر کچھ مختلف سے محسوسات پیدا ہوتے محسوس ہوئے تھے. مجھے جنتے گھٹے ماحول میں رکھا گیا تھا وہاں اپنی اور بھائیوں کے علاوہ کسی مرد کا میری زندگی میں کہیں کوئی گزر نہیں تھا. مگر اپنی دوستوں سے ان کے کزنز اور دیگر رشتے داروں کے حوالے سے ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نے اتنا تو سمجھا دیا تھا کہ ماں باپ اور بہن بھائیوں سے محبت کے علاوہ ایک اور محبت

بھی ہوتی ہے ؟ اور شاید وہ سب محبتوں سے زیادہ خوب صورت ہوتی ہے.

میں اس کی بات کے خواب میں کچھ بول تو نہ پائی تھی مگر لائن بھی اس کینکٹ نہیں کی. میری خاموشی کو میری رضامندی جان کر اس نے اس سے اگلے روز اور پھر اس سے اگلے روز یعنی کہ روز فون کرنا شروع کر دیا.

اس کا مخصوص ٹائم تھا جو میں نے ہی اسے بتایا تھا. دوپہر میں آپی ریحان بھائی اور فرمان

بھائی تو گھر پر ہوتے نہیں تھے۔ اور شیما بھابھی اور نجمہ بھابھی بھی اپنے اپنے کمروں میں سو رہی ہوتی تھیں باقی رہے بچے تو وہ اپنا ہوم ورک کرنے یا کھیل کود میں مصروف ہوتے اور اس طرف توجہ ہی نہ دیتے کہ میں لاؤنج میں بیٹھ کر اتنی آہستہ آواز میں کس سے باتیں کر رہی ہوں۔ شروع شروع میں مجھے ڈر لگتا تھا کہ کہیں پکڑی نہ جاؤں مگر آہستہ آہستہ میں اس روٹین کی عادی اور بے خوف ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ کبھی کبھار خود بھی اسے فون کرنے لگی۔ وہ لاہور کا رہنا والا تھا اور کراچی میں جاب کی وجہ سے رہ رہا تھا اس کی فیملی وہیں تھی اور وہ یہاں احساس تنہائی کا شکار تھا۔ اس کے بھی میری طرح زیادہ دوست وغیرہ نہیں تھے۔ وہ مجھ سے اپنے گھر والوں کی باتیں کرتا۔ اپنے بہن بھائیوں کے قصے سناتا اور میں اسے اپنے متعلق چھوٹی چھوٹی باتیں بتاتی۔ وہ تمام باتیں جو مجھے دن رات احساس تنہائی اور گھٹن کا شکار کیے رکھتی تھیں وہ سب میں اس سے شئیر کر کے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتی تھی۔

وہ میری دوستوں کی طرح میرا مزاق نہیں اڑاتا تھا' بلکہ مجھ سے ہمدردی کرتا۔ امی اور گھر والوں کے رویے پر' ان لوگوں کو ظالم اور مجھے مظلوم کرار دیتا اور کہتا کہ میرا حوصلہ ہے جو میں اتنے جبر واستدار میں زندگی گزار رہی ہوں۔ ہفتے بھر میں ایک چھٹی والا دن ایسا ہوتا تھا جب ہم بات نہ کر پاتے تھے۔ اور اس ایک دن بات نہ کرنے پر مجھ پر

جھنجھلاہٹ سوار ہوتی سو ہوتی' مگر وہ مجھ سے بڑھ کر بیتاب نظر آتا.

"ایک دن تمہاری آواز نہ سنو تو دل بے چین ہو جاتا ھے' کچھ اچھا نہیں لگتا اگلے روز آفس آکر بھی سب سے لڑنے کو دل چاہتا ہے. 'بلاوجہ غصہ آتا ہے-اف زوبیہ تم نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا"-

وہ انتہائی بے بسی سے یہ جملے بولتا مجھے کسی اور ھی دنیا کی سیر کروانے لگتا. کیا میں زوبیہ خلیل کسی کے لیے اتنی اہم بھی ہو سکتی ہوں-"جس سے کوئی دوستی کرنا بھی پسند نہیں کرتا" جس کا سب مزاق اڑاتے اور اس سے دور دور رہتے ہیں' ایسی لڑکی کے لیے وہ ایک شخص اتنی بری طرح دیوانہ ہو رہا ہے-

میں اپنی خوش بختی پر ناز کرنے لگی تھی' اب گھر والوں کہ رویے میرا دل نہیں دکھاتے تھے-اسکول اور پڑھائی پہلے کونسی مجھے بہت پسند تھی-اب تو اور بھی ان سب سے دھیان ہٹ گیا تھا-

پھر اس نے مجھ سے ملنے کے لیے اسرار کرنا شروع کر دیا' شروع شروع میں نے انکار کیا' اس لیے نہیں کہ میں اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی بلکہ اس لیے کہ میرے اوپر گھر والوں کا خوف سوار تھا مگر اس کا اصرار بڑھتا چلا گیا- یہاں تک کہ وہ ناراض ہونے لگا تو

www.neweramagazine.com

مینے اس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا- شیمہ بھابھی سے مینے اپنی ایک کلاس فیلو کے گھر جانے کی بات کی' جس کا گھر ہم سے اگلی ہی گلی ہی میں تھا-

میرا افزکس کا جرنل' مصباح کے پاس رہ گیا ھے' اگر اس سے لاکر پرکٹکل نہیں اتارا تو کل میم سے بہت ڈانٹ پڑے گی-

جھٹ بولتے ہوے میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے مگر حیرت انگیز طور پر انہوں نے نہ تو کسی حیرت کا اظہار کیا اور نہ ہی کوئی اور سوال جواب اور بڑے اطمینان سے مجھے جانے کی اجازت دے دی. گھر کے قریب بنے اس پارک میں بھری دھوپ میں کسی سے سامنا ہونے کا خوف نہیں تھا' سخت ترین گرمیوں میں کس کا دماغ خراب تھا کہ پارک میں لو کے چھبرے کھانے آتا- وہ بینچ پر بیٹھا میری راہ تک رہا تھا مینے خیالوں ہی خیالوں میں اس کے جیسا تھا کہ بنایا تھا وہ اس سے بھی بڑھ کر ہینڈسم تھا- مجھے اس سے بہت جھجھک محسوس ہو رہی تھی اور وہ مسلسل میری تعریفیں کر رہا تھا-

'می نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ خوبصورت آواز والی یہ لڑکی دیکھنے میں بھی اتنی حسین ہو گی'' وہ ولہانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور میں شرماتی لجاتی اس کی تعریفیں سن رہی تھی مگر اس سب کے ساتھ ساتھ ڈر بھی بہت لگ رہا تھا' اس لیے اس کے بہت روکنے کے باوجود بھی جلدی اٹھ گئی تھ- گھر آکر سارا دن اسی منظر کو سوچتی رہی تھی- اس کی

والہانہ نگاہیں' پیار بھری تھیں-

تم سے ملنے کے بعد تو میں اور بھی تمہارا دیوانہ ہو گیا ہوں. سچ زوبیہ اب تمہارے بغیر جیا نہیں جاتا اب کی بار لاہور جاوں گا تو امی سے تمہارے بارے میں ضرور بات کروں گا- تمہارے ابی تو ہماری شادی کے راستے میں روکاوٹ نہیں بنیں گے نا' کہیں ایسا نہ ہو امی ابو آئیں اور تمہارے ابی انہیں تکا سا جواب دے دیں"-

وہ فون پر مجھ سے مختلف خدشات کا اظہار کر رہا تھا-

"ابی کو ماننا پڑے گا' ضروری تو نہیں کہ میں ساری زندگی ان کے ظلم سہتے ہوے گزار دوں"-

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میرے اندر ایک باغی لڑکی پیدا ہو گئی تھی- جو مجھے ابی سمیت سارے زمانے سے ٹکرا جانے کا حوصلہ دے رہی تھی-

ہاں پھر میں بھی نجمہ بھابھی کی طرح اپنی پسند سے شوپنگ کیا کروں گی' ٹی وی دیکھوں گی' فلمیں دیکھوں گی- اپنی مرضی کی کتابیں پڑھوں گی' کوئی صبح شام مجھ پر تنکید یں نہیں کیا کرے گا- میں اپنی مرضی سے زندگی گزاروں گی-

163

اور وہ بھی رمیز کے ساتھ۔ وہ بے حد خوبرو

بندہ جو مجھ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔اس کی سنگت میں زندگی کتنی خوشگوار گزرے گی،وہ تو مجھ سے کبھی اونچی آواز میں بات تک نہیں کرے گا،بس ہر وقت مجھ سے پیار کی،خشیوں کی محبت کی باتیں کیا کرے گا۔

"کیا بات ہے زوبی پھپھو آپ اکیلے اکیلے کیوں ہنسی جا رہی ہیں؟"حنا کی آواز پر میں چونک گئی۔رمیز کے بارے میں سوچتے سوچتے شاید میرے لبوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی اور میرے برابر میں بیٹھی حنا نے نا جانے یہ بات کیسے نوٹ کر لی تھی۔

"بیٹا!آج کل لگتا ہے آپ کی پھپھو اسکول میں روزانہ ایک پریڈ لطیفوں کا اٹینڈ کر کے آتی ہیں۔بس گھر آ کر بھی ان پر ہنستی رہتی ہیں۔"سیما بھابھی معنی خیز مسکراہٹ چہرے پر لیے بڑے گھرے لہجے میں بولی تھیں۔میں فوری طور پر تو ان کی بات پر ڈر گئی تھی۔ ایسا لگا تھا کہ انہیں شاید کسی بات پر شک ہو گیا ہو مگر آنے والے دنوں میں نہ انھوں نے ایسا کچھ پوچھا اور نہ اپنی کسی بات یا رویے سے کچھ ظاہر کیا تو میں اپنے وہم کو نظر انداز کر گئی۔

"میں پندرہ بیس دنوں کے لئے لاہور جو رہا ہوں پلیز جانے سے پہلے ایک بار مجھ سے مل لو دیکھو انکار مت کرنا۔"وہ با قاعدہ میری منتیں کر رہا تھا اس کی محبت نے مجھے بہت بہادر بنا دیا تھا مگر میں پھر بھی اپنے اندر اتنا حوصلہ نہیں پا رہی تھی کہ اس سے مل لوں وہ

بھی اس کے گھر پر، بہت اسرار کے جواب میں، میں نے پارک میں ملنے کی بات کی تو اس نے مسترد کر دی۔

"پارک میں ملنا بھی کوئی ملنا ہے ایسا لگتا ہے کہ ہم کوئی چوری کر رہے ہیں، کہیں کوئی دیکھ نہ لے کی تلوار سر پر لٹکی رہتی ہے، گھر پر ملیں گے تو ٹھیک سے بات تو کر سکیں گے۔"

میں اسے ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی، پھر وہ اتنے سارے دنوں کے لیے چلا جائے گا وہ بھی میرے خلاف دل میں شکوہ اور ناراضی لیئے، مجھے نیم رضامند دیکھ کر اس نے خود ہی آنے کی لیئے مناسب وقت یعنی جن مجھے گھر میں آپی وغیرہ کا خوف نہ ہو اور سیما بھابھی سے کیئے جانے والا بہانا بھی بتادیا۔ بات کرتے کرتے مجھے کچھ آہٹ سی سنائی دی تو میں اسے ہولڈ کرا کر لاونج سے اٹھ کر ڈائننگ روم میں کی طرف آئی۔ لاونج اور ڈائننگ روم کے بیچ کوئی دروازہ نہیں تھا بلکہ بہت خوب صورت سفید جالی دار پردے کے ذریعے دونوں کو الگ کیا گیا تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ڈائننگ روم سے آگے بنے کچن میں ماسی برتن دھو رہی تھی۔ میں مطمئن ہو کر واپس آ گئی تھی۔

مقررہ وقت پر میں پارک پہنچ گئی تھی جہاں سے وہ مجھے بائیک پر بٹھا کر اپنے گھر لے گیا تھا۔ اس کا۔ گھر ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ روڈ کے دوسری طرف جو

اپر ٹمنٹس بنے ہوئے تھے وہ ان میں ہی رہتا تھا۔اس کا سو کمروں کا فلیٹ مجھے اپنے عالیشان گھر سے کئی زیادہ اچھا لگا تھا۔وہ ایک کمرہ ڈائننگ کے طور پر اور دوسرا بیڈ روم کے طور پر استعمال کرتا تھا۔مجھے لے کر وہ سیدھا اپنے بیڈ روم میں آ گیا تھا، مجھے بیٹھنے کا کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔کچھ دیر بعد آیا تو ہاتھ میں ایک بڑی سی ٹرے تھی۔ جس کے بیچوں بیچ بڑا سا کیک رکھا ہوا تھا۔ٹرے کو ٹیبل پر رکھ کر وہ صوفے پر میرے برابر آ کر بیٹھ گیا تھا۔خوبصورتی سے سجے سجائے کیک پر لکھا "ہیپی برتھ ڈے ٹو زوبیہ" پڑھ کر تو کتنی دیر تک میں سکتے کی کیفیت میں بیٹھی رہی تھی۔اس نے میری سالگرہ کا دن یاد رکھا، نہ صرف یہ کہ یاد رکھا بلکہ اسے سیلبریٹ کرنے کا اہتمام بھی، ساری زندگی میں کبھی میری کوئی سالگرہ نہیں بنائی گئی تھی۔آپی تو دوسروں کے گھر ہونے والی برتھ ڈے پارٹیز میں شرکت کرنا پسند نہ کرتے تھے۔

"کیک کاٹو۔" وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا تھا۔مجھے مارے خوشی کہ رونا آنے لگا تھا۔میں نے کیک کاٹا تو اس نے خوبصورت سی ریپینگ پیپر لپٹا گفٹ اور محبتوں کے بھرپور اظہار میں ڈوبا خارڈ مجھے دیا۔زندگی کے چودہ سال تو واقعی قید بس مشقت کاٹی تھی۔یہ پندرہواں سال واقعی مختلف تھا۔میری پندرہویں سالگرہ جو میں اس کے ساتھ منا رہی تھی۔میں اس سب میں اتنی خوش تھی کہ مجھے ایک بار بھی احساس نہیں ہوا کہ وہ

میرے اتنے قریب کیوں بیٹھا ہے، اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر کیوں رکھا ہوا ہے، وہ مجھے اتنی بدلی ہوئی نگاہوں سے کیوں دیکھ رہا ہے۔

164

میں تو خوشی خوشی بھی اسکا دیا ہوا کارڈ پڑھ رہی تھی کبھی وہ پرفیوم اور سوٹ ہاتھوں میں لے لے کر بچوں کی سی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

"وہ ارام سے بیڈ پر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو میں بغیر کوئی عتراض کیے اٹھ گئی تھی، مجھے یہ پتہ تھا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، وہ مجھ سی شادی کرلے گا مگر اس سے زیادہ مرد اور عورت کا رشتہ کیا ہوتا ہے میں یہ نہیں جانتی تھی۔ مگر پھر بھی مجھے اس کے اتنے قریب بیٹھنے پر اچانک گھبراہٹ ہونی شروع ہو گئی تھی مجھے کچھ سمجھ میں تو نہیں آرہا تھا مگر مجھے اس کی نگاہوں سے ایک دم خوف آنے لگا تھا۔

"میں گھر جاوں گی۔" میں گھبراہٹ میں کھڑی بول اٹھی تھی۔

"ابھی سے ابھی تو ہم لوگ بہت ساری باتیں کریں گے۔ اور یہ تم مجھ سے اتنا ڈر کیوں رہی ہو میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں اور تم مجھے یہ احساس دلا رہی ہو کہ تمھیں مجھ سے بلکل بھی پیار نہیں۔"

وہ مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا مجھے بستور دور بیٹھا گھبرایا ہوا دیکھ کر وہ اسی جادوئی

لہجہ میں بولا۔

"میرے قریب بیٹھو زوبیہ۔"

اسی وقت دھاڑ سے دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔ ہم دونوں نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ ریحان بھائی اور فرمان بھائی کو وہاں دیکھ کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ وہ دونوں غیر آلود نگاہیں مجھ پر ڈال کر رمیز پر پل پڑے تھے۔ وہ بمشکل خود کو ان سے چھڑا پایا تھا۔

"تیری جان لے لوں گا۔" فرمان بھائی آگے بڑھے تو وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں زبردستی نہیں اٹھا کر لایا تمھاری بہن کو وہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔ بڑے غیرت والے بنتے ہو اپنی بہن تو سنبھالی نہیں جا رہی جو چوری چھپے مجھ سے ملتی ہے ارے اس کو تو یہ کہتا کہ میرے ساتھ گھر سے بھاگ چلو یا کوٹ میرج کر لو تو یہ وہ بھی کر لیتی۔ ایک غیر مرد کے گھر سے لڑکی برآمد ہو اور وہ بھی جو چیخ چلا نہیں رہی ہو تو اسکا مطلب ہے کہ وہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔

وہ استہزایہ انداز میں بول کر اپنے منہ پہ لگا خون صاف کر رہا تھا۔

"یہ رمیز میرے بارے میں کس طرح زہر بول رہا ہے۔"

میں بھائیوں کو دیکھ کر ڈر گئی تھی مگر رمیز کے منہ سے تمھاری بہن، مرضی، زبردستی کے الفاظ سن کر ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔ وہ ہاتھوں سے کمیز کی شکنیں درست کر رہا تھا جبکہ ریحان بھائی اور فرمان بھائی ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

راستے بھر ان دونوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ مگر گھر پہنچتے ہی ریحان بھائی مجھے کھینچتے ہوے اندر لے آئے تھے۔ لاونج میں بیٹھے آبی کو دیکھ کر میرے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ آبی اس وقت کبھی گھر نہیں آتے تھے بلکہ ریحان بھائی فرمان بھی کوئی بھی اس وقت گھر پر نہیں ہوتا تھا پھر آج کیسے؟ مجھے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ انھوں نے دھکا دے کر مجھے آبی کی طرف پٹخا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں ریحان۔" شیما بھابھی فوراً آگے بڑھی تھیں مجھے اٹھانے کے لیے۔

"دفع ہو تم یہاں سے آج کوئی میرے سامنے آیا تو میں اسے قتل کر دونگا۔"

وہ ہذیانی انداز میں چلائے تھے۔ وہ دونوں مل کر مجھے مار رہے تھے لاتیں، گھونسے، تھپڑے میں آنکھیں بند کئے چپ چاپ پیٹ رہی تھی۔

"ہماری عزت کو داغ لگا کر آئی ہے یہ بے غیرت، آبی! میں اسکا خون کر دونگا۔" شاید فرمان بھائی چلائے تھے مگر مجھے ان کی آواز ہی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میرے کانوں میں تو کچھ اور آوازیں گونج رہی تھیں۔

"تم میری زندگی میں آجاوں تو کہیں کوئی کمی نہیں رہے گی۔ ہم ایک ساتھ خوش رہیں گے۔"

ایک غیر مرد کے گھر سے لڑکی بر آمد ہوا اور وہ بھی جو چیخ چلا نہیں رہی ہو تو اسکا مطلب ہے کہ وہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔

اس طرح

"وہ گھر کو تمھارے رہنے لائق ہو، دیکھ لینا میں بہت جلد تمھیں ان سنگدل لوگوں کی قید سے نکال لاوں گا۔"

"اس کو تو اگر میں یہ کہتا کہ بھاگ جاو یا کوٹ میرج کر لو۔"

اچانک اتنی دیر میں میرے منہ سے چیخ نکلی تھی، ریحان بھای نے اٹھا کر مجھے زور سے لات ماری تھی۔ اور میرا سر میز کے نوکیلے کونے سے ٹکرایا تھا، خون کا دوارہ نکلا تھا، اتنا زیادہ خون دیکھ کر بھی دونوں نہیں روکے تھے۔ بند ہوتی آنکھوں سے میں نے کسی کی آواز سنی تھی شاید نجمہ بھابھی کی جو انہیں روک رہی تھیں۔

ہوش آیا تو میں اپنے کمرے میں تھی، میرے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا، سر میں درد کے مارے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ پورا جسم پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ مگر اس تکلیف سے زیادہ

شدید وہ درد اور تکلیف تھی جو میری روح جھیل رہی تھی، اور اس سب سے بڑھ کر آپی کا خوف، بھائیوں کو خوف شاید اب وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ ہو سکتا ہے زہر دے دیں، سوتے میں گلا دبا دیں۔ دونوں بھابھیاں میرے پاس بیٹھیں تھیں شاید ڈاکٹر کو بھی انہوں نے ہی بلوایا تھا۔

ڈر کے مارے آنکھوں سے آنسوں بھی نہیں نکل رہے تھے۔ وہ دونوں مجھ سے جس جس طرح کے سوال کر رہی تھیں، انہوں نے چند گھنٹوں میں مجھے پندرہ سے نکال کر پچیسویں سال میں پہنچا دیا تھا۔

"پتہ نہیں کب سے ملاقاتیں چل رہی ہیں میں سیدھی سادھی گھریلو عورت، مجھے کیا پتہ کہ مصباح کے گھر جانے کے بہانے کہا جایا جاتا ہے۔ اور آج تو حد ہی ہو گئی مجھے سوتا دیکھ کر مجھے بتائے بغیر ہی اس سے ملنے چوری چھپے گھر سے نکل گئی۔ وہ تو شکر ہوا ماسی نے کام کرتے ہوئے اس کی باتیں سن لی تھیں۔ اس نے مجھے بتایا، میں نے گھبرا کر فورا ریحان کو فون کیا۔ بس نجمہ! اس واقعہ کا کسی سے ذکر مت کرنا۔ اپنا تو منہ کالا کر کے آئی ہے کم از ک۔ بھائی بے چارے تو سر اٹھا کر دنیا۔ کا سامنا کر سکیں۔ اگر کسی کو بھنک بھی پڑ گئی اس بات کی تو ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے لائق بھی نہیں رہیں گے۔"

www.neweramagazine.com

وہ آنکھوں میں آنسوں لیے نجمہ بھابھی کو سمجھا رہی تھیں۔ میں خاموشی سے خود پر لگنے والا ہر الزام سن رہی تھی۔ کھڑکی کے پاس سے گزرتے آپی کو دیکھ کر مجھے مزید ذلت کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے بھی سیما بھابھی کی ساری باتیں سن لیں تھیں، مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی بولوں، آپی اور دونوں بھای میری شکل تک دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ میں نے شدت سے خدا سے اپنے لیے موت مانگی تھی، نجمہ بھابھی اور سیما بھابھی کھانا یاد دوا دینے میرے پاس آتیں اور پھر جس جس طرح کے سوال کرتیں وہ مجھے ذلت کے اندھیرے غار میں دھکیل دیتے۔

"اتنی ذلت، میرے اللہ اتنی ذلت، بس تو مجھے اپنے پاس بلالے۔ مجھے میری امی کے پاس بھیج دے۔"

میں سارا دن بستر میں منہ چھپائے روتی رہتی تھی۔

مجھے احساس تھا کہ میں کیا کرنے والی تھی، دن، ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہو رہے تھے۔ میرا میٹرک کا رزلٹ آگیا تھا جس میں، میں بمشکل ڈی گریڈ لے کر پاس ہو پائی تھی۔ سارا دم کمرے میں پڑی رہتی تھی، کوئ مجھ سے بات کرنا، میرے پاس آنا پسند نہیں کرتا تھا۔ رزلٹ والا اخبار بھی حنا نے مجھے لا کر دیکھایا تھا۔ رزلٹ دیکھ کر میں زارو قطار رونے لگی تھی، آج رزلٹ دیکھ کر آپی مجھے ڈانٹے گے نہیں۔ آپی

کی وہ ڈانٹ جس سے میں چڑا کرتی تھی آج اس کی خواہش مند تھی۔

"آپی پلیز مجھے ڈانٹیں، ماریں، گالیاں دیں مگر اس طرح نظر انداز تو نہ کریں۔"

وقت نے اتنے سے دنوں میں مجھے جو سمجھ داری دی تھی۔اس کی بدولت میں بہت کچھ سمجھ گئی تھی یہی کہ اپنے تیئں میں سیما بھابھی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر رمیز سے فون پر باتیں کیا کرتی تھی مگر وہ شروع وقت سے اس بات سے آگاہ تھیں۔سب کچھ جانتی تھیں، مگر انہوں پھر بھی نے مجھے روکا نہیں تھا۔

میں نے مصباح کے گھر سے جرنل لانے کا بہانا کیا انہوں نے بغیر کسی حیل و حجت کے اجازت دے دی۔میں ناتجربہ کاری کے ہاتھوں کچھ سمجھ نہ سکی، پھر اس عوزا نہوں نے ساری باتیں سن لی تھیں. انہیں پتا چل چکا تھا کہ میں اس کے گھر جانے والی ہوں, مگر انہوں نے کچھ ظاہر نہیں کیا. اور انہوں نے بڑے آرام سے اجازت دے دی تھی, میں سمجھ ہی نہیں پائی تھی کہ وہ میرے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہیں. انہوں نے ریحان بھای فرمان بھائی اور آپی سب کو خود فون کر کے بلایا تھا.

وقت کی اس دلدل سے اب میں کیونکر نکل پاؤں گی. میں اتنی نیک عورت کی بیٹی حس کی ساری زندگی محرم اور نا محرم کے چاروں میں گزر گئی جو اتنی عفت ماب اور حیادار تھی کہ گھر میں بھی شاذ و نادر ہی ڈوپٹہ اس کے سر سے ہٹتا ہو گا اور کیا کرنے چلی تھی

میں. کیا ماں کے دودھ میں تاثیر نہیں تھی یا میں ہی اپنے خمیر میں بے غیرتی لگی کر پیدا ہوی تھی. مجھے خود سے نفرت ہو گی تھی بے اندازہ اور بے تحاشا نفرت. میرا دل چاہتا میں خود کشی کر کے اس زندگی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر ڈول.

پھر ایک رات نجانے رات کا کون سا پہر تھا میرے کمرے میں گلابوں کی اور کافور کی ملی جلی سی مہک محسوس ہوئی. کوئی میرے سرہانے بیٹھ گیا اور میرے ماتھے پر بڑی نرمی اور محبت سے ہاتھ رکھا. وہ کتنا مانوس س لمس تھا میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دی تھیں.

"امی! میں بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گی تھی.

زوبی!! اپنی امی کے گلے نہیں لگو گی, امی سے پیار نہیں کرواو گی. انہوں نے بانہیں پھیلائی تھیں اور میں بالکل بچپن کی طرح ان کے سینے میں منہ چھپا کر ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی.

امی مجھے اپنے ساتھ لے چلیں. کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں. مجھ سے غلطی ہو گی ہے بہت بڑی غلطی اور ابی تو میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے.. بے ربط جملے میرے منہ سے نکل رہے تھے وہ پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں.

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

"تم اپنے ابی سے معافی مانگ لو. انہوں نے اپنے مخصوص نرم ملائم لہجے میں کہا تھا.

وہ کبھی بھی مجھے معاف نہیں کریں گے. کیا آپ ابی کو جانتی نہیں ہیں وہ تو بغیر قصور کے سزا دیا کرتے ہیں جبکہ اب کی بار تو واقعی میرا قصور ہے. میں عورت ہوئے ان کی بات کی نفی کر رہی تھی..

زوبی میری بات سنو.. "انہوں نے مجھے خود سے الگ کرتے ہوئے پہلی بار سخت لہجہ اختیار کیا تھا. میں دھندلی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگی.

"تم بیٹی ہو نا, ماہ طلعت کی بیٹی. تمہیں خود کو ثابت کرنا ہو گا کہ تم ماہ طلعت کی بیٹی ہو. اتنی ہی اچھی اتنی ہی نیک اور اتنی ایثار پیشہ. نیک اولاد صدقہ جاریہ ہوتی ہے اور تمہیں ایسی ہی بیٹی بن کر دکھانا ہے تمہیں سب کو بتا دینا ہے کہ تم ایک شریف ماں کی شریف بیٹی ہو.

وہ اپنے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کرتے ہوئے حکمیہ انداز میں بول رہی تھیں. اور میں بس ان کا چمکتا نورانی چہرہ تکے جا رہی تھی.

اَب زندگی میں کبھی ڈگمگانا نہیں ہے کبھی راہ سے نہیں بھٹکنا نہیں ہے تمہیں ایسا بننا ہے زوبی کہ میں تم پر فخر کر سکوں تم اپنی امی کا مان رکھو گی نہ؟؟ وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں

"ماں."میرے جسم کے روئیں روئیں سے صدابلند ہوی تھی.

میں نے اپنی بیماری کے سخت ترین دنوں میں اکثر خدا سے ایک ہی دعا مانگی تھی جو میرے ساتھ ہوا وہ میری بیٹی کے ساتھ نہ ہو.اس کی زندگی میں ایسا شخص آئے جو اس سے محبت نہیں کرے اور اس کی عزت بھی کرتا ہو اور ایسا شخص تمہاری زندگی میں ضرور آئے گا یہ راہ میں آئے پتھر تمہیں ان سے ٹھوکر نہیں کھانی خود کو بچا کر سنبھال کر اس کے لئے رکھنا ہے. تم دیکھنا وہ ضرور آئے گا" .

آنکھ کھلی تو امی میرے پاس سے جا چکی تھی مگر ان کی آواز وہ میٹھا شہد آگیں لہجہ وہ پیار بھرا لمس وہ سب میرے پاس چھوڑ گئی تھیں.اچانک مجھے کیا ہوا تھا میں بستر سے اٹھ گئی تھی.اپنے کمرے سے نکلی تو مجھے خود نہیں معلوم تھا میں کہاں جا رہی ہوں.چند لمحوں دور خود کو ابی کے کمرے میں پایا تھا.

ابی مجھے معاف کر دیں پلیز مجھے معاف کر دیں.ابی میں بھٹک گئی تھی مجھ سے غلطی ہو گی .مگر آپ مجھے معاف کر دیں. میں وعدہ کرتی ہوں آیندہ زندگی بھر آپ کو کبھی ناراض نہیں کروں گی ایسا کچھ نہیں کروں گی جس سے

167 آپ کو تکلیف ہو۔‘‘میں آبی کے پاؤ ں پکڑ کر چیخ چیخ کر روتے ہوئے بول رہی تھی وہ نیند سے بیدار ہوئے تھے،تکیے سے سر ذرا سا اونچا کر کے وہ مجھے خاموشی سے دیکھ

رہے تھے وہ اپنے پاؤں کھینچ کر ہٹانے لگے تو میں ان کے پاؤں پر سر رکھ کر روئی تھی۔ ''آپی میرا یقین کریں میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے میں اپنی مری ہوئی ماں کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا آپ کا دامن داغ دار نہیں کیا۔'' وہ کچھ نہیں بولے تھے بہت دیر تک رونے کے بعد میں خود ہی چپ ہو گئی تھی۔ ''صبح ہونے میں تھوڑی سی دیر رہ گئی ہے جاؤ جا کر سو جاؤں۔'' وہ مجھ پر نظر ڈالے بغیر دیوار پر نظر مرکوز کیئے عجیب سے لہجے میں بولے تھے۔ ''آپ کے کہنے پر گئی تھی میں آپی کے پاس آپ سے کہا تھا نا، وہ کبھی بھی مجھے معاف نہیں کریں گے اور کیوں کریں گے وہ مجھے معاف، زندگی میں پہلی دفعہ تو وہ مجھ سے کسی جائز بات پر ناراض ہوئے ہیں۔'' میں خود کو بمشکل گھسیٹ کر اپنے کمرے تک لائی تھی اور آتے ہی بیڈ کے اس جگہ جہاں ابھی ابھی امی بیٹھ کر گئی تھیں، ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑبڑائی تھی لہجہ میں شکوہ تھا، ناامیدی تھی اور گہری مایوسی بھی۔ اگلی روز میں نے کمرے مس لیٹے آپی ریحان بھائی اور فرمان بھائی کے لڑنے کی آوازیں سنی تھیں۔ پتہ نہیں وہ لوگ کس بات پر جھگڑ رہے تھے مگر آوازیں بہت بلند تھیں۔ آپی کی آواز ان دونوں کے مقابلے ہلکی تھی شاید وہ لوگ لاؤنج میں تھے۔ ''آپ اس بے غیرت کو پھر آزمانے جا رہے ہیں، انسان وہ جو ٹھوکر کھا کر سنبھل جائے مگر آپ اس پر اعتبار کرنے

کو تیار ہیں۔" فرمان بھائی چیخے تھے۔ "ہمیں اسے ایک موقعہ دینا چاہیے فرمان" آپی کی دھیمی سی آواز آئی تھی۔ "آپ موقعہ کی بات کر رہے ہیں میرا بس چلے تو میں اس کی لاش کے اتنے ٹکڑے کروں کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ آپ اسی لڑکے سے یا کسی کے بھی ساتھ دو بول پڑھوا کر اسے یہاں سے دفعہ کریں۔ سچ کہتا ہوں آپی! اس کی شکل دیکھوں تو خون کھولنے لگتا ہے۔ صرف آپ ہی کی وجہ سے وہ زندہ سلامت یہاں موجود ہے۔" وقفہ وقفہ سے ایسے جملے میری سماعتوں سے ٹکرا رہے تھے۔ "میں فیصلہ کر چکا ہوں ریحان اب تم لوگ راضی ہو یا نہیں۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" یہ آخری جملہ تھا جو آپی نے اس رات بولا تھا۔ ان کی اس بات کے جواب میں شدید طیش کے عالم میں ریحان بھائی نے فوراً کہا تھا۔ "ٹھیک ہے پھر میں یہ گھر چھوڑ دوں گا۔ میں اپنے بیوی بچوں کو لے کر کل ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔" آپی نے انھیں روکنے یا سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں اپنے کمرے میں ساکت پڑی تھی۔ مجھے پتہ تھا آپی بیٹوں اور خاص طور پر ریحان بھائی کو کتنا چاہتے ہیں۔ سیما بھابھی اور ان کے بچوں میں آپی کی جان ہے، مگر جب گزرتے کئی دنوں میں بھی وہ لوگ کہیں نہیں گئے تو میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ مجھے لگا تھا کہ شاید آپی نے انہیں منا لیا ہے اور جانے سے روک دیا ہے مگر یہ بات بہت سالوں بعد میری سمجھ میں آئی تھی کہ آپی نے انھیں روکنے یا

منانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ریحان بھائی تو سخت ترین غصہ کی حالت میں گھر چھوڑنے پر تلے ہوئے تھے مگر سیما بھابھی نے انہیں سمجھا بجھا کر ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ریحان بھائی ان ہی کے دماغ سے سوچتے تھے،ان ہی کی زبان بولتے تھے، پتہ نہیں سیما بھابھی نے ان پر ایسا کیا جادو کیا ہوا تھا۔وہ آنکھیں بند کر کے جو کچھ وہ کہتیں وہ کیے جاتے اور سیما بھابھی بہر حال اتنی عقل مند تو تھیں کہ آپی کی دولت جائیداد میں سے اپنا اور اپنے بچوں کا حق محض کسی خود ساختہ انا،ضد اور غیرت کے نام پر قربان نہ کرنے دیتیں۔آپی نے میرا کالج میں داخلہ کروا دیا تھا،بات وات انہوں نے مجھ سے کوئی خاص نہیں کی تھی،بس فارم لا کر دے دیا پھر خود ساتھ لے جا کر ایڈمیشن سے متعلق تمام کاروائی نبٹا دی،آپی کو بہت شوق تھا کہ ان کا کوئی بچہ ڈاکٹر بنے،

اسی لیے انہوں نے انٹر میں فرمان بھائی کو پری میڈیکل گروپ میں ایڈمیشن دلوایا تھا مگر ان کو پڑھائی میں دلچسپی ہی نہیں تھی۔میں نے خود سے عہد کر لیا تھا کہ مجھے آپی کی نظر میں سرخرو ہونا ہے۔امی سے کیا وعدہ نبھانا ہے او یہی سوچ مجھے پری میڈیکل کی طرف لے گئی تھی۔پھر میں جو کتابوں،پڑھائی اور اسکول کے نام پر بے زار رہا کرتی تھی،ایک دم بدل گئی۔پڑھائی پڑھائی بس پڑھائی میری زندگی کا

محور بس اس کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں۔ کالج میں میں نے کسی سے بھی دوستی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، گھر پر ابھی بھی کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا۔ بھائیوں کے سامنے جانے سے تو میں گرز کرتی تھی۔ مجھے ان کی اپنی سمت اٹھتی لال انگارہ آنکھیں دہلایا کرتی تھیں۔ ان کی انکھوں میں مجھے دیکھ کر خون اترایا کرتا تھا۔ سیما بھابھی او نجمہ بھابھی ضرورتاً بات کرتیں تھیں اور آپی کبھی کبھار کمرے میں آکر "کچھ چاہیے تو نہیں؟" "پڑھائی کیسی جارہی ہے؟" قسم کے سوالات کر کے دو چار منٹ میں ہی چلے جایا کرتے تھے۔ اب آپی کے پیسے دینے پر سیما بھابھی میرے لیے جیسے بھی کپڑے لاتیں، مجھ ان میں کوئی عیب نظر نہیں آتا تھا۔ وہ لوگ اپنے اپنے بچوں کو لے کر گھومنے جاتے ہیں یا ٹی وی دیکھ رہے ہیں مجھے اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ میرے لیے تو زندگی کا مقصد صرف پڑھائی تھی۔ "تم ماطلعت کی بیٹی ہو تمھیں ایسا بنناہے زوبی میں تم پر فخر کر سکوں۔" یہ جملے مجھے مسلسل اور پیہم جدوجہد پر اکساتے رہتے تھے۔ ہر رات میں پڑھتے پڑھتے ہی رائٹنگ ٹیبل پر سر رکھ کر سو جایا کرتی تھی۔ بستر پر باقاعدہ سونے کے ارادے سے لیٹنا بھی بھول گئی تھی۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، لوگ کا کہہ رہے ہیں، کون کیا کر رہا ہے، کون کیا کہہ رہا ہے، میں نہیں جانتی تھی۔

جس روز میرے انٹر کا رزلٹ آیا اور میں ۸۴% لے کر پاس ہو گئی تو بے اختیار

میں نے امی کی تصویر کی طرف دیکھا تھا مجھے ایسا لگا تھا جیسے ان کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ پھیل گ ئی تھی۔ میرے کچھ کہے بغیر آپی نے میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کے لیے فارم لا دیا تھا۔ ان کے دو ٹوک انداز کے سامنے کوئی بھی نہیں ٹِک سکتا تھا، تو ریحان بھائی اور فرمان بھائی تھوڑا بہت کہہ سن کر چپ ہو گ ئے تھے۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ میری شادی کر دینی چاہیے میں قابل بھروسہ نہیں ہوں۔ کو ایجوکیشن میں پڑھ کر میں کیا گل کھلاؤ ں گی۔ میں نے کالج جانا شروع کر دیا سر سے لے کر پاؤ ں تک چادر لپیٹ کر، کالج کے مقابلے میں میڈیکل کالج میں بہت گھما گھمی اور متحرک زندگی تھی مگر میں انداز یہاں بھی ویسا ہی تھا۔ پڑھائی کے حوالے سے میری دو چار لڑکیوں سے بات چیت تھی، وہ بھی اس لیے کہ مختلف اسایمنٹ اور پریکٹیکلز کے لیے گروپس میں کام کرنا پڑتا تھا۔ مگر اس میں دوستی کا رنگ شامل نہیں تھا، اکثریت کے نزدیک میں ایک مغرور لڑکی تھی، لڑکوں سے تو ضرورتاً بھی بات چیت نہیں تھی۔ لڑکے تو لڑکے، لڑکیاں بھی میری غیر موجودگی میں مجھ پر کمنٹس دیا کرتی تھیں، پیٹھ پیچھے میرا مزاق اڑایا جاتا، اپنے اس رویے کے سبب اکثر مں نقصان اٹھایا کرتی تھی۔ لڑکے او لڑکیاں گروپس میں کمبان اسٹڈیز کیا کرتے تھے اور میں اپنی ڈیرھ اینٹ کی مسجد بنائے سب سے الگ تھلگ امتحان کی تیاری کرتی۔ اکثر تھیوری اور وایوا میں میرے نمبر

دوسروں کے مقابلے میں کم اسی لیے ہوتے تھے کہ میں لیکچرز، بکس اور نوٹس پر اکتفا کرتی تھی۔ جبکہ سب ساتھ بیٹھ کر ڈسکس کر کے تیاری کیا کرتے تھے اوڈ سکشن میں ہی ان کا کانسپٹ کلیر ہو جایا کرتا تھا۔ اس سب کے باوجود جب میں حنا یا مہرین کے منہ سے یہ جملہ سنتی "زوبی پھپھو! امی نے آپ سے بات کرتے ہوئے دیکھ لیا تو بہت ناراض ہوں گی۔ وہ سونے لیٹ جائیں پھر میں آپ کے پاس آؤں گی۔" تو بہت ضبط کرنے کے باوجود میری آنکھیں چھلک پڑیں تھیں۔ فرخ اور ارسلان مجھ سے پڑھائی میں جب چاہے مدد لینے آجایا کرتے تھے اور میں خوشی خوشی ان کی مدد کر دیا کرتی تھی مگر حنا اور مہرین پر ان کی ماؤں کی طرف سے سخت ترین پابندی تھی

ایک دو بار کمرے میں آ کر حنا کو ڈانٹتے ہوئے وہاں سے اٹھاتے ہوئے سیما بھابھی نے بڑی بے چارگی سے مجھ سے کہا تھا۔ "مجھے تو کوئی اعتراض نہیں مگر ریحان ناراض ہوتے ہیں۔" اور ایک دو مرتبہ کے بعد ہی میں سمجھ بھی گئی تھی۔ مگر وہ دونوں سیما بھابھی اور نجمی بھابھی کی نظروں سے بچ کر آ ہی جایا کرتی تھیں۔

آبی کا شروع سے ہی سب پر ایسا رعب و دبدبہ رہا تھا کہ پوتے پوتیاں بھی ان سے سنبھل کر اور محتاط ہو کر بات کیا کرتے تھے۔ حلانکہ اب آبی کو غصہ نہیں آتا تھا۔ انہوں نے

بات بات پر چیخنا چلانا بند کر دیا تھا اور اب تو شور وم بھی بس تھوڑی دیر کے لیئے جاتے تھے۔ان کا زیادہ وقت عبادت کرتے یا اسٹڈی میں کتابیں پڑھتے گزرتا تھا۔مجھے پتہ تھا آبی کی خاموشی کا سبب میں ہوں میں نے ان کا اٹھا ہوا سر جھکا دیا ہے وہ وقت سے پہلے بوڑھے اور اتنے نڈھال میری وجہ سے ہو گئے ہیں۔ مگر یہ سب جاننے کے باوجود میں کچھ نہیں کر سکتی تھی ہمیشہ ان سے اتنے فاصلے پر رہی تھی کہ اب ان کہ ہاں جاتے جھجک ہوتی تھی۔میرا دل چاہتا میں آبی کی خوب خدمت کروں،ان کے جوتے خود پالش کروں، بلکل امی کی طرح،ان کے کپڑے اور کھانے پینے کا خیال رکھوں،ان سے پوچھوں کہ آپ نے کھانا پینا کیوں اتنا کم کر دیا ہے۔ب جب میں انہیں آدھی پون روٹی کھا کر اٹھتا دیکھتی ہو تو میرا دل رو پڑتا ہے۔

پھر میری یہ خواہش کہ میں آبی کی خدمت کروں، قدرت نے بڑے تکلیف دہ انداز میں پوری کی تھی۔وہ آوروں سے گھر واپس آرہے تھے جب راستے میں ان کا گاڑی سے ایکسیڈینٹ ہو گیا۔اس ایکسیڈینٹ کے نتیجے میں ان کا آدھا جسم ملفوج ہو گیا تھا۔وہ قدم جن کی چاپ سن کر سہم کر ہم لوگ چھپ جایا کرتے تھے آج وہیل چیر پر تھے۔ ہر وقت ان کی خدمت کے لیئے ایک آدمی درکار تھا،وہ کوشش کرتے کہ وہیل چیر پر بیٹھے بیٹھے اپنا جتنا کام خود کر سکتے ہیں کر لیں۔شروع شروع میں سب بڑی تندہی سے

ان کی خدمت اور تیمارداری میں لگے رہے۔ مگر آہستہ آہستہ سب بیزار ہونے لگے آبی وقت بے وقت آواز دیتے تو سیما بھابھی کو منہ بن جاتا، آبی کے سامنے تو وہ ہی چاپلوسانہ مسکراہٹ لی کر جاتی تھیں مگر میری نگاہوں سے ان کی ماہواری چھپ نہیں پاتی تھی۔

"بھابھی آپ رہنے دیں میں کر لوں گی۔"

میرا فائنل ایئر چل رہا تھا، کبھی کالج کبھی ہاسپٹل مگر پڑھائی کے مشکل ترین دنوں میں بھی آبی کی طرف سے غافل نہیں ہوتی تھی۔ انھیں نوکروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کو میرا دل نہیں مانتا تھا۔ نوکر بھی تو اسی وقت خیال رکھتے ہیں جب گھر والے رکھیں۔

"آبی چلیں تھوڑی دیر لان میں چل کر موسم کا لطف اٹھاتے ہیں۔"

میں ہاسپٹل میں نائٹ ڈیوٹی کا سخت ترین شیڈول بھگتا کر گھر واپس آتی تو کمرے میں اکیلے لیٹے آبی سے مخاطب ہوتی۔

"تھکی ہوئی آئی ہو تھوڑی دیر آرام کر لو۔" وہ اب مجھ سے باتیں کرنے لگے تھے میں انہیں کالج اور ہاسپٹل کے قصے سناتی، وہ مجھے اپنی کسی نئی پڑھی کتاب سے اقتباس سناتے۔

"میں بالکل بھی تھکی ہوئی نہیں ہوں۔" میں مسکراتے ہوئے ان کی وہیل چیر دھکیلتی

ہوئی لان میں لے آتی۔لان میں موسم انجوائے کرتے میں ان سے بہت سی لایعنی باتیں کرتی۔

"یہ وائٹ لیلی کرنا خوبصورت لگ رہا ہے۔"

"مالی نے گیندے کے پھول اب تک کیوں نہیں لگائیں۔"

"کراچی میں تو دسمبر کے مہینے میں بھی پنکھے اور اے سی چلانے پڑتے ہیں۔"

ہم بہت دیر تک ایسی باتیں کرتے رہتے۔میں ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا بناتی۔ کئی بار میرے پکائے کھانے کی تعریف کرتے ہوئے آبی کہتے۔"زوبی تمھارے ہاتھوں میں اپنی ماں کا ذائقہ ہے۔"

میں تعجب سے دیکھتی، جس عورت سے وہ ساری زندگی شاکی رہے آج بہت شکستہ لہجہ میں اسی عورت کی تعریف کر رہے تھے۔وہ اپنی کوئی بھی کیفیت مجھ سے شئیر نہیں کرتے تھے مگر مجھے پتا تھا۔بیٹوں کا اجنبی انداز انہیں کتنا دکھ دیتا ہے۔ریحان بھائی تو پھر بھی دن بھر میں ایک مرتبہ انہیں سلام کرنے اور خیریت پوچھنے ان کے کمرے میں آجاتے تھے۔

مگر فرمان بھائی ایسی زحمت کبھی کبھار ہفتوں میں کیا کرتے تھے. وہ حس کے جاہ و جلال

کے سامنے ایک دنیا کانپتی تھی. آج بے بسی کی تصویر بنا نیز زمانہ دیکھتا.

میں نے برسوں سے خاندان کی تقریبات میں آنا جانا چھوڑ رکھا تھا. آپی کے رویے کی وجہ سے خاندان میں بہت کم لوگوں سے ہمارا میل ملاپ تھا اور ان میں سے بھی کسی کے گھر سے بلاوہ آتا تو میں جانے سے معذرت کر لیا کرتی تھی. ایسے ہی ایک مرتبہ میری فرسٹ کزن کی شادی کا بلاوہ آیا. شیما بھابھی نے مجھ سے بڑے اصرار سے ساتھ چلنے کے لیا کہا. مجھے ان کے اصرار پر تعجب تھا اگر میں جاتی نہیں تھی تو کوئی بھی مجھ سے چلنے کے لیے نہ کہتا تھا. ان کے بضد ہونے پر میں جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی. ان دنوں میں ویسی بھی بہت خوش تھی. میں نے اتنے برسوں میں پہلی دفعہ ریحان بھائی کی ناراضی کچھ کم ہوتی محسوس کی تھی انہیں بہت تیز بخار ہو گیا تھا اور میں اب اس قابل تو ہو چکی تھی انہیں ملیریا کی دوا دے سکوں میں نے خوب دل لگا کر ان کا علاج اور تیمارداری کی تھی وہ بغیر کسی ڈاکٹر کے پاس گے ٹھیک ہو گئے تھے اگرچہ انہوں نے منہ سے کچھ نہیں کہا تھا مگر ان کی نظروں میں مخصوص نفرت اور مجھے زندہ دفن کر دینے کی خواہش بھی نظر نہیں آتی تھی. میں نے اس بات پر غور ہی نہیں کیا تھا کہ شیما بھابھی سے یہ بات برداشت نہیں ہو رہی تھی. وہ ہم دونوں بھائی بہن کو ساتھ بیٹھا دیکھ نہیں پائی تھیں اور اسی لئے مجھے خاص طور پر شادی میں لے کر گئی. میں بہت سالوں سے

رشتے داروں سے دور تھی مگر اس روز مجھ وہاں دیکھ کر جس طرح لوگوں نے سرگوشیوں میں باتیں کرنی شروع کی تھیں وہ مجھے یہ بات سمجھانے کے لئے کافی تھی کہ میرے مہربانوں کے توسط سے میری کردہ اور ناکردہ سب غلطاں طشت اڑنا ہو چکی ہیں.

لوگوں کی نظریں ان کی سرگوشیانہ باتیں میرا دل ریزہ ریزہ کر رہی تھیں میں اپنے آنے پر پچھتا رہی تھی مگر گھر واپس آتے ساتھ ہی شیما بھابھی کو ریحان بھائی اور فرخ کے سامنے رو رو کر واویلا کرتے دیکھ کر میں سکتے کی کیفیت میں کھڑی رہ گئی تھی.

کتنا دل دکھا ہے آج میرا وہاں سب کی باتیں سن کر. میں کس کو سمجھاوں کہ بچی تھی نادانی میں ایک بھول ہو گی اب اسے معاف بھی کر دیں.

زوبی کو دیکھ کر سب نے مجھ سے ایسی ایسی باتیں کیں کہ میرا دل چاہ رہا تھا ان لوگوں کا منہ توڑ دوں. اور ریحان بھائی کی آنکھوں میں دوبارہ وہی غصہ وہی نفرت اور وہی خون اتر آیا. میرا دوا پلانے کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ انہوں نے غصہ سے جھٹک کر سب ہی کو اپنے کمرے سے نکال دیا تھا. اگلے روز انہوں نے حنا کو صرف اتنی سی بات پر تھپڑ مار دیا تھا کہ اس نے اسکول کے سالانہ فنکشن میں ڈرامہ میں حصہ لے لیں تھا.

رات میں ابی کے لئے کمرے میں کھانا لے کر گئی تو انہوں نے بہت غور سے میری

طرف دیکھا تھا.

تم روئی تھیں زوبی ؟؟ بہت دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اچانک. انہوں نے سوال کر کے مجھ بوکھلا دیا تھا.

وہ برسوں پہلے کے اس واقعے کے حوالے سے یا کسی اور بات کے حوالے سے کبھی بھی مجھ سے کوئی بات نہیں کرتے تھے بات کی تو صرف پڑھائی کے حوالے سے.

ابی ! اگر ہم سے کوئی غلطی ہو جائے اور پھر بعد میں اپنی غلطی کا احساس بھی ہو جائے اور ہم اس پاک ذات سے اپنی غلطی کی معافی بھی مانگیں تو کیا وہ معاف کر دیتا ہے ؟ میں نے سر جھکائے جھکائے سوال پوچھا تھا.

بے شک وہ اپنے بندون کے گناہ معاف کر دیا کرتا ہے. وہ پر یقین لہجے میں گویا ہوے تھے. اور لوگ ؟؟؟ میں نے ان کی طرف ایک پل کے لئے نظر اٹھا کر دیکھا تھا وہ میرے سوال پر چوک گئے تھے.

"لوگ نہیں معاف کرتے ہے نا ابی ؟" میرا لہجہ بہت ٹوٹا ہوا تھا.

اتنی صابر ماں کی بیٹی ہو کر ایسی باتیں کر رہی ہو. " وہ میرے ہاتھ تھام کر ٹوکنے والے انداز میں بولے تھے اور پتا نہیں ابی کا رویہ ایسا کیوں تھا مجھ سے کچھ پوچھ بھی نہیں رہے اور امی کا نام لے کر نصیحت کر دی.

پھر جس روز میں ایم بی بی ایس کا رزلٹ ہاتھ میں لیے ابی کے سامنے گئی تو اتنے برسوں میں پہلی بار انہوں نے مجھے سینے سے لگا لیا تھا. ان کے گلے لگانے کی دیر تھی میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی. وہ پیار سے میرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے خود بھی رو پڑے. میں نے انہیں اس روز سے پہلے کبھی روتے نہیں دیکھا تھا.

"تم واقعی ماہ طلعت کی بیٹی ہو, بالکل اسی کی طرح ہو بہو جیسی" انکے بھیگے ہوئے لہجے پر میں نے چونک کر سر اوپر اٹھایا تھا

"ابی آپ رو رہے ہیں؟"

"نہیں یہ خوشی کے آنسو ہیں۔" وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے مسکرائے تھے۔امی کی نظروں میں سرخرو ہونے کے احساس کیساتھ ساتھ اس روز مجھے پہلی بار اس بات کا ادراک ہوا تھا کہ زندگی ہر قدم پر ابی کے آگے جھکتی اور مسلسل شکست کھاتی امی 'مرنے کے بعد اپنی ہر شکست کا بدلہ لیں گی تھیں۔وہ دراصل پچھتاوں میں گھرے زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے امی کا صبر ابی کے ہر ظلم پر حاوی ہو گیا تھا۔

ابھی میں اپنی اس خوشی کو ڈھنگ سے منا بھی نہ سکی تھی کہ اسی روز میرے کلاسفیلو شعیب احمد کی والدہ اور بہنیں ہمرے گھر میرا رشتہ لے کر آ گئی تھیں۔وہ ہماری کلاس کا سب سے جینیئس لڑکا تھا؛ فائنل ایئر میں بھی اسنے فرسٹ پوزیشن لی تھی۔کلاس فیلو

ہونے کے ناتے تو میں اسے جانتی ہی تھی اور اسکی ذہانت کی وجہ سے دیگر کلاس فیلو بھی اس سے مرعوب بھی رہا کرتی تھی۔وہ کلاس میں موجود ہوتا تو پروفیسرز کی حالت قابل رحم ہوا کرتی تھی'اسکے مشکل سوالات کے جواب دینا اچھے اچھوں کے بس کی بات نہیں تھی۔میرے علاوہ دوسری کئی لڑکیاں تھی جو مجھ سے زیادہ ذہین اور حسین تھی'اتنی بہت سی لڑکیوں کو چھوڑ کر اس نے ایک ایسی لڑکی کا انتخاب کیا تھا جس سے کالج کے پانچ سالوں میں کبھی دعا سلام تک نہ ہوئی تھی۔مجھے اس بات پر فخر ہونا چاہیے تھا'اس نے اتنے سالوں تک میرا خاموش تجزیہ کیا تھا اور یقینا" میں اسے اس قابل لگی تھی کہ وہ مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنے کی خواہش کر بیٹھا تھا مگر اپنے حالات بخوبی جانتے ہوئے میں انکی آمد کا مقصد جان کر پوری جان سے کانپ گئی تھی۔ابی نے ان سے بہت اچھی طرح بات کی تھی۔بڑی خندہ پیشانی سے ملے تھے'مگر میں شیما بھابھی اور نجمہ بھابھی کی نگاہوں میں لکھے شکوک و شبہات اور معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر دل ہی دل میں ڈر رہی تھی۔

ابی!میری اس سے کبھی کوئی بات نہیں ہوئی۔پڑھائی کی حد تک بھی نہیں۔پتہ نہیں اسنے اسطرح کیوں۔۔۔۔۔۔"ابی کے سامنے یہ وضاحت کرتے ہوئے بھی میں شرم سے زمین میں گڑ رہی تھی۔

"اب کی بار کلاس فیلو سے چکر چلایا ہے' پتہ نہیں ایسی لڑکیوں میں کیا گٹس ہوتے ہیں جو مرد اس طرح انکی طرف کھینچے چلے آتے ہیں۔"

نجمہ بھابھی کسی کو فون پر بتا رہا تھی تو شیما بھابھی ریحان بھائی کو میرا تازہ ترین کارنامہ مکمل سسیاق وسباق کیساتھ سنا رہی تھیں۔۔ میں بغیر سنے بھی جانتی تھی کہ مجھ پر کیا کیا الزامات لگائے گئے ہونگے۔ اگلے روز ابی کو ریحان بھائی سے اس رشتے کے بارے میں بات کرتا سنا تھا۔

"مجھے وہ لوگ اچھے لگے ہیں' لیکن تم پھر بھی لڑکے کے بارے میں چھان بین کروالو۔" ریحان بھائی جواباً" خاموش رہے تھے" شاید انہوں نے یہ سوچا ہو گا کہ شادی ہو جائے گی تو انکو میری منحوس شکل سے تو کم از کم چھٹکارا تو نصیب ہو ہی جائے گا۔ مگر کسی چھان بین کی وبت کی نوبت آئی ہی نہیں تھی' ابی' شعیب کے گھر والوں کی طرف سے کسی فون کال کے منتظر تھے اور وہاں سے پھر دوبارہ کوئی کبھی نیں آیا تھا۔ رشتہ لے کر آتے وقت اتنا جوش وخروش اور جلدی اور اسکے بعد اتنی خاموشی اور ر سناٹا' میں نے محسوس کیا تھا کہ ابی لاشعورری طور پر سارا دن فون کے پاس بیٹھے رہتے تھے' شاید اسی لیے کہ انہیں پتا تھا خاندان میں اور قریبی جاننے والوں میں سے تو کسی

گھر سے میرا رشتہ آنے والا نہیں تھا' یہ واحد رشتہ ہی میری شادی کی آخری امید تھی' مگران لوگوں تک جو میرے کارناموں کی مفصل رپوٹ پہنچی تھی اسکے بعد وہ ہمارے گھر کیوں آتے۔

مجھے ان لوگوں کے نہ آنے کا کوئی ملال نہیں تھا' مگر اس سب کے نتیجے میں جو مزید ذلت اور رسوائی میرے حصے میں آئی تھی وہ ناقابل برداشت تھی۔

"کلاس فیلو سے عشق لڑا لیا' ساتھ پڑھتے تھے' پانچ سال سے چکر چل رہا ہو گا" ایسی ہی کہیں باتیں مجھے لہولہان کرتیں اور میں چپ بیٹھی رہتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس روز ابی کی طبیعت کافی خراب تھی' میں بیڈ پر ان کے پاس بیٹھی انکا سر دبا رہی تھی۔ وہ آہستہ آواز میں مجھے پتہ نہیں مجھے کیا بتا رہے تھے۔

طارق روڈ کی ایک دوکان میرے نام ہے، لاکر میں رکھا امی کا سارا زیو د میرا ہے، ابی نے اپنے اکاؤنٹ میں موجود سارا پیسہ میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیا ہے،۔

میں نے اکتائے ہوئے انداز میں انھیں ٹوک دیا..

"ابی مجھے یہ سب نہیں چاہئیے."

"پھر کیا چاہئے؟" وہ تھوڑا سا مسکرائے تھے.

"آپ کی دعائیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ یقین دہانی کہ آپ مجھ سے خفا نہیں ہیں"

انہوں نے اپنے ماتھے پر رکھا میرا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا، "میری سب دعائیں تمھارے ساتھ ہیں اور میں کیوں تم سے خفا ہونگا؟" وہ میری طرف دیکھ کر محبت سے بولے.

"واقعی آپ مجھ سے خفا نہیں ہیں؟" میں نے دوبارہ پوچھا تو انہوں نے میرا ہاتھ پیار سے چومتے ہوئے گردن ہلا دی.

"اچھا آپ میرے لیے کیا دعا کرتے ہیں؟" میں نے لاڈ سے انکے گلے میں بانہیں ڈال کر پوچھا تھا اور وہ ہنستے ہوئے بولے.

"تمھیں کیوں بتاوں، یہ میرا اور میرے اللہ کا بڑا ہی پرسنل تعلق ہے" .

....زندگی میں پہلی بار وہ مجھے اس طرح پیار کر رہے تھے، کبھی میرے ہاتھ چومتے، کبھی ماتھے پر بوسہ دیتے، میں اس پل بہت خوش تھی، مگر مجھے پتا نہیں تھا کے یہ پہلی بار ہی آخری بار بھی ہے. مجھ سے باتیں کرتے کرتے انہوں نے اپنی آنکھیں موندی تھیں. میں نے خود انکی دھڑکنوں کو خاموش ہوتے سنا تھا، میرے چیخنے پر سارا گھر وہاں جمع ہو گیا تھا.

امی کے بعد اب ابی بھی. ایک ایک کر کے میرے اپنے مجھ سے چھنتے جا رہے تھے،

فرمان بھائی کو تو مجھ سے کوئی سروکار نہیں تھا مگر ریحان بھائی کو میں نے ابی کے بعد اکثر اپنی شادی کے متعلق فکر مند دیکھا تھا...

ریحان بھائی کو کاروبار میں خاصا بھاری نقصان ہوا تھا، جو پیسہ ڈوبا وہ قرض لیا ہوا تھا، قرض کی ادائیگی کے لیۓ فوری رقم کی ضرورت تھی، انھیں الجھا الجھا اور پریشان دیکھ کر میں خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔

سبب مجھے ریحان بھائی اور فرمان بھائی کی کھانے کی میز پر ہونے والی گفتگو سے پتا چلا تھا ۔میں نے اپنے اکاونٹ میں موجود دس لاکھ روپیہ انہیں دیا تو وہ لینے سے انکاری ہو گئے تھے مگر میں زبردستی انہیں وہ چیک دے دیا تھا اور ایسا کر کے مجھے خوشی ہوئی کیا پتہ اسطرح میرے بھائیوں کے دل میری طرف سے صاف ہو جائیں۔

ان ہی دنوں نجمہ بھابی کے ایک کزن جو ہیوسٹن میں رہتا تھا پاکستان آئے یہاں ان کے قریب ترین رشتہ دار بھابی نجمہ ہی تھی اس لیے وہ ہمارے گھر رکے۔ان کی غیر ضروری گفتگو اور دولت کی نمائش مجھے بہت کوفت دیتی۔وہ آئے بھی شادی کے ادارے سے تھے اور سب کے ساتھ خوب انجوائے کر رہے تھے۔میری ان سے واجبی سلام دعا ہوئی اگے پیچھے آتے جاتے وہ مجھے دکھ کر عجیب سی مسکراہٹ دیتا اور نجمہ بھابی کو شاید یہی خوف کے ان کا کزن مجھے پسند نہ کر لے اس رات میں سوچکی تھی جب میرا

دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا کوئی۔اندر اندھیرے کی وجہ سے آنے والے کا چہرہ پہچان تو نہیں پائی مگر اٹھ ضرور گئی تھی۔وہ میری طرف بڑھا میں گھبراہٹ سے بیڈ سے آٹھ گئی۔آپکی ہمت کیسے ہوئی میرے کمرے میں آنے کی میں بغیر لحاظ کے چلائی وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دروازہ بند کر کے پلٹا۔میں جس جگہ سے آیا ہوں میرے لئے یہ عام سی بات ہے اتنے غصے میں آنے کی کیا ضرورت ہے میں نے پورے زور سے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا وہ لڑکھڑا گیا میں سمجھ گئی اُس نے شراب پی رکھی ہے اس کی لڑکھڑاہٹ سے فائدہ اٹھا کر کمرہ کھول کر چلا چلا کر ریحان بھائی اور فرمان بھائی کو آوازیں دینے لگی ایک منٹ میں سب پہنچ آئے۔وہ مجھ سے ایسی توقع نہیں رکھتا تھا اس لیے بری طرح گھبرا گیا تھا

کیا ہوا ریحان بھائی کو دیکھ کر مجھے ایک دم رونا آگیا اپنے ہی گھر میں غیر محفوظ تھی ابھی میں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے شیما بھابی طنزیہ انداز میں بول پڑی

ہم تو سمجھتے تھے تم بدل گئی ہو بدلنا تو دور کی بات اب گھر میں ہی بھائیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہو میں ان کے الزام پر بلبلا اٹھی جب غلطی پر تھی چپ کر کے ہر الزام سہا مار بھی کھائی مگر اب بے قصور یہ سب نہیں سہ پا رہی تھی میں نے کچھ نہیں کیا اگر آنکھوں میں دھول جھونکی ہوتی تو ایسے نہ بلاتی سب کو میں بلند آواز میں بول

www.neweramagazine.com

رہی تھی۔ وہ تمارے ہی کمرے میں کیوں گیا حنا کے کیوں نہیں گیا۔ نجمہ بھابی اپنے کزن کو سر جھکائے دیکھ کر دانت پیستے ہوئے بولی۔

صرف اور صرف تم دونوں کی وجہ سے میں جنونی ہو کر ان کو جھنجوڑ ڈالا میں نے آپ لوگوں کا کیا بگاڑا تھا میں ان کو جھنجوڑ رہی تھی کے فرمان بھائی اگے بڑھ کر مجھے رکنا چاہا اور ہاتھ اٹھانے لگے میں نے بے خوفی سے ان کا ہاتھ روک لیا اس پل میں شاید اپنے آپ میں نہیں تھی۔

زلیل بے غیرت ہاتھ روکتے شرم نہیں آئی پھر انہوں نے ہاتھ اٹھایا میں چند قدم پیچھے ہو کر چلائی تم سب زلیل ہو اب مجھ پر کسی نے ہاتھ اٹھایا تو میں اس کے ہاتھ توڑ دوں گی نکالیں اسے ایک چوری اوپر سے سینہ زوری بجائے غلطی ماننے کے ہم پر چڑھ رہی ہے وہ دونوں اپنے اپنے بول رہی تھی۔ تم لوگ مجھے کیا نکالو گے میں خود یہاں سے جا رہی ہوں جب میں چلی جاؤں تو ایک ایک کو فون کر کے بتانا کے ہماری نند گھر سے بھاگ گئی تم لوگ اس کام میں ماہر ہو نا۔

میں وہاں سے بھاگ کر کمرے میں آئی سب پر سکتا طاری بے زبان ایک دم اتنا بول کر سب کو حیران پریشان کر دیا میں اپنے گھر محفوظ نہیں چار دیواری میں عزت نہیں محفوظ تو کھلا آسمان برا نہیں۔ دو بھائیوں کو موجودگی میں محفوظ نہیں تو اس گھر میں رہا کیوں

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جائے۔

رات بھر میں اپنا سامان پیک کرتی رہی میں روئی نہیں عجیب بے کسی نے مجھے لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔

خالہ امی میری امی کی کزن ہیں یہ بہت غریب رشتے دار تھی جن کی امی ساری زندگی مالی امداد کرتی رہی۔

اس معاملے میں امی کو ابی کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں تھی امی اپنے رشتے داروں کی بہت خفیہ مدد کرتی تھی ان کے جانے کے بعد ابی نے وہی سلسلہ جاری رکھا مدد کا۔جب تک محسن بھائی کی جاب نہیں لگی وہ باقاعدگی سے انہیں پیسے بھیجتے رہے خالہ امی میرے امی ابی کی بہت احسان مند تھی مجھے بہت پیار کرتی میں نے ان کے گھر جانے کا ارادہ کر لیا ورنہ ان کے دھکے مار کر نکالنے کا انتظار کرتی۔گھر سے نکلتے وقت میں جب ریحان بھائی کے پاس گئی انہوں نے مجھے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا

۔

میں خالہ امی کے پاس جارہی ہوں چاہو تو کنفرم کر لینا فون کر کے ایسا نہ ہو یہ سوچو کے کسی کے ساتھ بھاگ رہی ہوں جھوٹ بول کر۔اب میں دوبارہ کبھی واپس نہیں آؤں گئی لوگوں کو بول دینا ہمیشہ کے لیے چلی گئی یا مر گئی جو دل چاہیے بول دینا

وہ اسی طرح منہ پھیرے بیٹھتے رہے شیما بھابی جوان کے برابر میں بیٹھتی تھی منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی

گھر سے نکلتے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اپنے گھر کو جی بھر کے دیکھا بے حسی کی کیفیت یک لخت ختم ہو گئی۔

گاڑی تیز رفتاری سے چل رہی تھی اس سے بھی تیز رفتاری سے میری آنکھوں سے پانی بہہ کر میرا گریبان بھگو رہا تھا

اور سب کی طرح خالہ امی بھی میرے بارے میں جانتی تھی مگر انہوں نے پھر بھی مجھے اپنے گھر میں پناہ دی

ماہ طلعت کی بیٹی ہونے کے ناتے ان کے احسان کے بوجھ تلے دبے بدلہ چکانا چاہتے تھے وہاں سب نے کھلے دل سے میرا ویلکم کیا۔ میں جاب کرنے لگی زندگی سکون سے گزرنے لگی تھی میں نے اپنے آنے کی وجہ خالہ امی کو سب سچ سچ بتا دی۔ انہوں نے میرے فیصلے کو درست مانا اور فرقان بھائی اور فرمان بھائی کو غلط کہتی تھی۔ کہ ان سے ایک بہن نہیں سنبھالی گئی میرا یہ سکون بھی کچھ ٹائم کا تھا۔ میری بدقسمتی میرا پیچھا کرتی ہوئی وہاں آ پہنچی

صرف ایک سال بعد میں دوبارہ گھر بدر ہو گئی۔

میں زندگی سے مایوس ہو گئی تھی مجھے آنے والے وقت سے کوئی امیدیں نہیں تھی۔

پھر میری زندگی کا نیا دور شروع ہوا اور میں یہاں پہنچ آئی۔ شروع میں یہاں بہت

گھبرائی رہی مگر سب بہت احترام عزت دیتے۔

ان سب میں کسی کو میری اصلیت پتہ چل جائے تو سب کے رواپے بدل جائیں گے۔

کسی خوشی پر کوئی حق نہیں اور آپ جیسے اچھے انسان کی تو میں ہر گز بھی قابل نہیں."

وہ اپنے سے فاصلے پر بیٹھی لڑکی کو دکھ سے دیکھ رہا تھا

جس نے زندگی میں بہت سے دکھ اٹھائے تھے جو بظاہر بہت بزدل اور کمزور تھی لیکن

اندر سے بہت بہادر تھی...

چلیں زوبیہ.."

وہ اتنی دیر بعد بولا بھی تو کیا؟؟

وہ گھٹنوں پر سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی...

اسکے چہرے کے تاثرات نہیں بدلے تھے

مگر زبان پر چپ کی مہر لگ گئی تھی..

وہاں سے اٹھتے وقت اس نے محسوس کیا وہ اس شخص کا بدلنا سہ نہیں پائیگی اگر یہ شخص

بھی بدل گیا اور اسے چھوڑ گیا تو اب کی بار وہ شاید واقعی مر جائیگی...

وہ کبھی کسی کے آگے نہیں کھلی تھی اسکی کوئی دوست نہیں تھی کوئی رازدار نہیں تھا

اسکو اس شخص کے سامنے اپنے اوراق زندگی پلٹنے پر کوئی افسوس نہیں تھا..

اس نے خود کو بہت ہلکا محسوس کیا تھا...

حجستہ کی موت کے بعد جس سکتے کی کیفیت میں وہ تھی وہ کیفیت یکسر ختم ہو چکی تھی..ڈیوٹی آف ہونے کے بعد وہ حجستہ کے گھر چلی آئی تھی...اب جب وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئی تو اسے اندازہ ہوا کہ اس پر اک قرض باقی ہے حجستہ کے خون کا قرض...کیا اس کا خون رائیگا جائیگا..؟؟

اسے یقین تھا کہ اسکی ساس اور شہباز اس معاملے میں اسکا ساتھ دینگے...انہوں نے بجھے دل سے استقبال کیا اسنے آمد کا مقصد بتایا تو دونوں بوکھلا گئے...ہم پولیس کو بیان دے چکے ہیں گولی غلطی سے پستل صاف کرتے ہوئے چلی تھی"...

شہباز نے ہچکچاتے کہا...

کوئی بات نہیں بیان بدلا بھی جاسکتا ہے سچائی تو بہر حال سچائی ہے تم لوگ سچ بولو دیکھو اس خون کا حساب دینا ہے

زوبیہ نے سمجھایا

تو کیا کریں بہو مر گئی اب بیٹے کو خود پھانسی دلوا دیں ہم ایسا نہیں کر سکتے..

سمجھانے کے باوجود وہ آمادہ نہیں ہوئے..

ٹھیک ہے میں آس پاس والوں سے تفتیش کرواونگی پھر پولیس تمھارے پاس آ کر سب اگلوائے گی...

وہ انہیں دھمکاتی چلی گئی..

لوگوں سے پوچھنے پر اسے اندازہ ہوا کہ یہ سب اتنا آسان نہیں..اسکی بات سنتے ہی برابر والے خان محمد نے جب یہ کہا کہ

انہیں تو اتنے سالوں میں خجستہ اور بہادر کی لڑائی کی کبھی آواز نہیں آئی وہ دونو بہت پیار محبت سے رہتے تھے...

انہیں اتنے مستحکم لہجہ میں جھوٹ بولتے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی...

مردوں میں سب نے یہی کہا کہ ہمیں کبھی حجستہ کے چیخنے چلانے کی آواز نہیں آئی اور عورتوں کو اس نے جزباتی کر کے اگلوانا چاہا تو انھوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا

یہاں تمام عورتوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے میری بہن کو تو اسکے شوہر نے جلا کر مار دیا تھا لیکن ہم خاموش رہے اب بھلا مردوں کے خلاف کچھ کہہ سکتے ہیں؟؟؟

میرا آدمی خود مجھے بہت مارتا ہے اب کیا میں پولیس کے پاس پہنچ جائوں؟؟"

وہ کسی بھی طرح انھیں قائل نہیں کر پا رہی تھی...

حجستہ کے لیے دل میں ہمدردی کے باوجود کوئی بھی اس کے حق میں گواہی دینے کیلیے تیار نہ تھا

اسے تھوڑی بہت سزا ہو گی اور پھر تھوڑے دنوں بعد وہ دوبارہ یہیں اسی جگہ دندناتا پھر رہا ہو گا...

پولیس کی کچھ دے دلا دیا تو شاید معاملہ بہت آسانی سے رفع دفع ہو جائے وہ پاس کے گاوں کے سردار کا خاص کارندہ تھا اور اتنا بے اختیار اور لاچار نہیں تھا کہ خود کو بچا نہ سکے..ہ

سچائی اپنی تلخ ترین حیثیت میں کھل کر سامنے آئی تو وہ تھر تھرانے لگی...

"آپ ابھی جانتی کیا ہیں ڈاکٹر زوبیہ؟؟

ہمارے اسی معاشرے میں عورتیں جلا کر ماری جاتی ہیں؟.،یہ چولھے پھٹنے کی خبریں تو شاید آپنے روز سنی ہو نگی، کبھی کم جہیز لانے پر، کبھی اولاد نہ ہونے پر کبھی بیٹی پیدا کرنے پر..ہ

ہمارے اسی معاشرے میں عورتیں کاری کی جاتی ہیں..اگر آپ نے اس معاملے کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اس حادثے کو قتل ثابت کرنا چاہا اور چلیں مان لیا کہ قتل

ثابت ہو جاتا ہے پھر آپکا مخالف وکیل بہادر کی جانب سے حجستہ کے کردار پر حملہ کرے گا وہ آوارہ تھی بد چلن تھی بد کردار تھی اسکے اپنے دیور کے ساتھ ناجاءز تعلقات تھے اور کیا ایک غیرت مند شوہر ایسی صورت میں اپنی بیوی کو جان سے نہ مارتا؟؟

اسے ضرور ایسا ہی کرنا چاہیے تھا کیونکہ غیرت سے بڑھ کر مرد کا وار کیا ہو سکتا ہے...ہ

وہ بڑی بے رحمی سے کڑوی سچائیاں بیان کر رہا تھا..ہ

زوبیہ آنکھوں میں آنسو لیے خاموشی سے اس کی زبان سے نکلتے تلخ حقائق سن رہی تھی..ہ

اسکی آنکھوں میں آنسوں دیکھ کر وہ اک لمحہ کیلیے خاموش ہو گیا تھا...ہ

ہہہہہ

وہ شکست خوردہ انداز میں ہاسپٹل پہنچی تو بے اختیار اسکا دل چاہا کہ وہ اسفندیار سے ملے اسے کہے کہ مجھے تسلی دو کوئی ایسی بات کرو کہ میرے دل کو قرار آجاے..

ریسیپشن سے پتہ چلا کہ وہ کل اور آج سرے سے آیا ہی نہیں تھا..

"اسے کچھ ضروری.کام تھا کہہ رہا تھا دو تین روز کیلیے آوٹ اوف اسٹیشن ہوں.."

ڈاکٹر شہزور نے اسکے استفسار پر بتایا... تمھیں کچھ کام تھا اسفند سے؟؟انہیں دھیان آیا نہیں ایسا کچھ خاص کام نہیں تھا..وہ بوجھل دل لیے کمرے انکے کمرے سے باہر آ گئی..

اتنی جراءت تو آپ میں ہونی چاہیے تھی اسفندیار خان کہ اگر میری سچائی جاننے کہ بعد آپ اپنی محبت سے دستبردار ہو گئے ہیں تو یہ بات میرے منہ پر کہتے..

رات کے اس پہر وہ چپ چاپ ہاسٹل کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی...سامنے ہاسپٹل کے پچھلے دروازے سے نکل کر دو ہیولے باغ کی طرف بڑھے تھے

وہ اماوس کی رات تھی گھپ اندھیرا رات کے اس پہر آنے والوں کو اس تک پہنچنے کی بہت جلدی تھی..وہ دونو بہت تیزی سے اسکے پاس آ رہے تھے...

میں اسفندیار خان ہوں...

اس شاندار آفس میں بلیک سوٹ پہنے پختہ عمر کے مرد سے اس نے مصافحہ کرتے ہوے تعارف کروایا..

تشریف رکھیں..

اس نے چہرے پر پرو فیشنل مسکراہٹ سجا کر کہا...

انکے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بول پڑا

وہ ایک دم ٹھٹکا..

اپنے بتایا نہیں..انکے جواب نہ دینے پر بولا..

جی ہاں وہ میری بہن ہیں آپ کیسے جانتے ہیں اسے؟؟

اسنے محسوس کیا کہ بہن کا لفظ انہوں نے بہت سوچ کر ادا کیا...

وہ میرے ہاسپٹل میں پچھلے ڈیڑھ سال سے جاب کر رہی ہیں جاننے والی بات کا جواب تو ہو گیا اور دوسرا سوال جو آپ یقینا مجھ سے پوچھنا چاہ رہے ہیں کہ میں کس سلسلے میں آیا ہوں.. تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے رسم و رواج کے مطابق جب... کسی لڑکی سے شادی کرنی ہوتی ہے تو رشتہ لیکر اس کے سرپرستوں کے پاس جایا جاتا ہے، میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ اس کے بڑے بھائی ہیں اس لحاظ سے آپ اس کے سرپرست ہوئے، چنانچہ میں آپ کے پاس چلا آیا۔"

وہ بڑے پر سکون انداز میں بول رہا تھا۔ اسکی بات سن کر ان کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ آپ کو اس سے شادی کرنی ہے، ضرور کریں، اس سلسلے میں میرے پاس آنے کی قطعا" کوئی ضرورت نہیں تھی" ان کے انداز میں لا تعلقی اور سرد مہری کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

"ایک بار اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا واقعی آپ اس سے نفرت کرتے ہیں یا پھر محض ایک جھوٹی انا اور نام نہاد غیرت ہے، جو آپ کو اس سے لا تعلقی کا اعلان کرنے پر مجبور کر رہی ہے" اس نے انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا تھا۔

"تو اس نے آپ کو اپنی وکالت کے لیے بھیجا ہے" آخر اسے اچانک ایسی کیا ضرورت

آن پڑی بھائیوں اور سرپرستوں کی؟ وہ تمسخرانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئے۔

وہ بہت اچھی ہے۔ بہت بہادر اور بہت سچی۔ اسے میری وکالت، صفائی، گواہی کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی مرضی سے یہاں آیا ہوں، مجھے کسی نے یہاں نہیں بھیجا۔ اس جیسی اچھی لڑکی کی یہ بہت بڑی توہین ہو گی اگر میں کہیں اس کے لیے رحم یا ہمدردی کی بھیک مانگنے جاوں۔ میں تو بس یہ سوچ کر چلا آیا تھا کہ کیا پتا اتنے سالوں میں کچھ بدل گئے ہوں، ہو سکتا ہے آپ خود بھی اسے یاد کرتے ہوں، شادی تو بہر حال مجھے اسی سے کرنی ہے، میں تو بس صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ لڑکی پوری عزت کے ساتھ اپنے باپ کے گھر سے رخصت ہو۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اب کی بار وہ کچھ بھی نہ بول پائے تھے، بس خاموشی سے اسے دیکھے چلے جا رہے تھے۔

"اور جس آزاد اور خود مختار زندگی کا آپ زکر کر رہے ہیں، اسے وہ زندگی گزارنے پر مجبور کس نے کیا؟ کیا آپ نے اتنے برسوں میں کبھی یہ بات سوچنے کی زحمت کی، کوئی بھی انسان اپنا گھر خوشی سے نہیں چھوڑتا اور وہ پاگل لڑکی وہ تو آج بھی اپنے اس گھر کو اور اس کے مکینوں کو یاد کر کے آنسو بہاتی ہے۔ وہ گھر جس میں اس نے انکھ کھولی، جہاں اس کے ماں باپ کی یادیں ہیں، اس کے دو پیارے بھائی رہتے ہیں۔ آپ لوگوں کی اتنی بے تحاشہ نفرت بھی اس کے دل سے آپ لوگوں کی محبت نہیں نکال پائی۔ آج بھی

اپنے ریحان بھائی اور فرمان بھائی کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں ۔لیکن آپ کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آئی گی۔میں اس کی کوئی وکالت کرنے نہیں آیا تھا، وہ جب کہیں غلط ہی نہیں ہے تو پھر اس کی طرف سے صفائی پیش کی جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔میں تو صرف اس لیے، لیکن رہنے دیں اس بات کو، آپ کے نزدیک تو شاید یہ سستی جزباتیت ہو گی، بھائی کا بہن کو رخصت کرتے وقت سر پر ہاتھ رکھ کر خوشیوں کی دعا دینا سستی جزباتیت ہی تو ہے"

اس کے لہجے میں طنز یہ کاٹ کے ساتھ کے ساتھ ساتھ بہت سے دکھ بھی ہلکورے لے رہے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

" کبھی وہاں میرے چھوٹے سے گاؤں میں میں آکر دیکھئے ریحان خلیل صاحب کہ وہ لڑکی وہاں کتنی ہر دلعزیز ہے، اور سب کو خود سے پیار کرنے پر اسکے سلوک نے مجبور کیا ہے، آپ لوگوں کی اتنی ساری نفرتیں مل کر بھی اس کے دل سے محبتوں کو نہیں نکال پائیں، اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو خود پر اتنے الزامات سہتے سہتے تنگ آکر آخر ایک روز یہ فیصلہ کر لیتی کہ ٹھیک ہے اگر میں بری ہوں تو پھر اب بری بن کر ہی دکھاؤں گی، انسانی نفسیات کی رو سے اسے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، مگر اس سے ایسا نہیں کیا، پتا نہیں اتنی برداشت اور اتنا حوصلہ اس لڑکی میں کہاں سے آگیا۔

وہ گم صم سے بیٹھے ہوئے تھے، جبکہ وہ اپنی بات مکمل کر کے کرسی سے اٹھ چکا تھا۔

یاد تو آپ اسے ضرور کریں گے ریحان خلیل صاحب! آج نہیں تو دس سال بعد، پندرہ سال بعد، کبھی نہ کبھی۔ آپ بھی اپنی ضمیر کہ عدالت میں ایک روز جوابدہ ہوں گے، مگر تب شاید بہت دیر ہو چکی ہو گی۔ تب آپ کے پاس صرف ملال ہوں گے، پچھتاوے ہوں گے، بالکل اسی طرح جیسے آپ کے والد نے اپنی عمر کا آخری حصہ پچھتاووں کی نذد کر دیا تھا اور انہیں کس کس بات کا پچھتاوا تھا۔ زوبیہ سمجھتی ھیں انہیں بیوی سے برے سلوک پر ملال ھوتا تھا. بے شک انہیں اس بات پر بہت ندامت تھی. مگر ساتھ ھی ساتھ وہ خود کو اپنی اولاد کا بھی مجرم سمجھتے تھے. وہ یہ بات سمجھ چکے تھے کہ ان کی بیٹی سے جو غلطی ہوئی اس کا سبب وہ خود ھی ھیں. وہ سمجھ چکے تھے کہ ان سے حقوق العباد میں کوتاہی ھو چکی ھے. ان کی نمازیں اور ان کی عبادتیں کچھ بھی ان کے کام نہی آئیں گی.

وہ اپنی بات ختم کر کے ایک پل کے لیے سانس لینے کے لیے رکا تھا.

"معاف کیجیے گا میں نے آپ کا بہت وقت برباد کیا' شاید می نے آپ کے پاس آ کے غلطی کی- بہرے حال میری کوئی بات آپ کو بری لگی ھو تو معزرت خواہ ھوں خدا حافظ." وہ ایک دم دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا- ان کے ساکت وجود میں اچانک

جمبش ہوئی تھی۔"رک جایئے اسفندیار" وہ دروازہ کھولتے کھولتے ٹھٹھک کر رک گیا تھا۔

"اس کے قدم ایک بار بھٹکے تھے' وہ کم عمر تھی' نادان تھی' آپ لوگ چاہتے تو اس کی اس غلطی کو پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف کر سکتے تھے۔اپنی بیوی' بہن اور بیٹی کے معاملے میں ہر مرد اتنا ہی حساس اور غیرت مند ہوتا ہے جتنے آپ۔ لیکن وہ واقعہ جو صرف آپ کے گھر والوں کے درمیان تھا۔اس کا چرچا سارے زمانے میں کس طرح ہو گیا۔' کبھی آپ نے اس بات پر غور کیا' اگر بات غیرت کی ہے تو غیرت تو یہ ہوتی کہ گھر کی بات گھر میں ہی دبالی جاتی۔لوگ میرے گھر کے کسی فرد کو بیٹھ کر ڈسکس نہ کریں۔

وہ ساحل پر ننگے پاوں چلتے ہوئے ان سے مخاطب ہوا تھا۔"جن گھروں میں فیصلوں کا اختیار عورتوں کو دے دیا جائے' جن مردوں میں قوت فیصلہ کی کمی ہو' جو رشتوں کو ان کی سہی جگہ پر نہ رکھ سکیں' بیوی کی کیا حیثیت اور مقام ہے' باپ اور ماں کا کیا مقام ہے اور بہن بھائیوں کی کیا جگہ ہے وہاں اسی طرح کے پرابلمز کھڑے ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کے چلتے ہوئے وہ خاموشی سے اس کی بات سن رہے تھے۔غروب ہوتا سورج اپنی آخری شعاعیں زمین کی نظر کر رہا تھا۔

"شام کا یہ وقت دل کو اتنا اداس کیوں کر دیتا ھے؟" وہ ڈوبتے سورج کو دیکھتے ہوئے یاسیت سے سوچ رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی تیز لہر آکر ان کے پیروں کو بھگو دیتی تھی۔

"میں اس کی پچھلی زندگی کا احوال سن کر دنگ رہ گیا۔ایک لڑکی اور اتنی بہادر۔آپ میری بات کا یقین کریں ریحان صاحب! آپ کی بہن بہت بہادر ہے۔اتنے سالوں سے وہ متواتر اور مسلسل اپنے کردار پر لوگوں کے شکوک وہ شبہات سہ رہی ھے۔وہ تمام گناہ اس سے منسوب کیے گے جو اس سے سرزد بھی نہیں ھوے تھے۔اور وہ پھر بھی زندگی کی جنگ لڑتی رہی کبھی ہاری نہی' مایوس ہو کر کوئی انتہائی قدم نہی اٹھایا۔ مردوں کو تو خدا نے عورتوں سے زیادہ مضبوط اور قوی اعصاب کا مالک بنایا ھے۔ مگر مینے ایک مرد کو اسی بات پر اپنی زندگی ھارتے دیکھا ھے۔اور وہ مرد کوئی عام مرد نہی تھا۔وہ جس کے قدموں کی دھمک سے زمین لرز اٹھتی تھی۔جو اتنا بہادر اور دلیر تھا کہ بڑے بڑے سورما اس کے آگے بھیگی بلی بنے کھڑے ہوتے تھے' جو بات کرتا اس کا لہجہ دوٹوک اور قطعی ھوتا تھا۔اور ایسا شجعات کا پیکر اپنے کردار پر حرف آتا دیکھ کر زندگی سے بڑی خاموشی کے ساتھ کنارہ کشی اختیار کر گیا تھا۔

جب میں زوبیہ کو بہادری سے زندگی کی جنگ لڑتا دیکھتا ہوں تو بے اختیار مجھے اردشیر خان یاد آجاتا ھے 'میرا بڑا بھائی۔وہ جو مجھے بہت پیارا تھا' باپ کے مرنے کہ بعد جسے

میں اپنا باپ 'بھائی' دوست سب سمجھنے لگا تھا- وہ ایک کامیاب وکیل تھا' بہت قابل اور زہین اور اپنی زہانت اور تمام تر طاقت وہ مظلوموں کی دادرسی میں استعمال کرنا چاہتا تھا- مجھے اس سے بہت اختلاف تھا- بی بی جان اور بھابھی بھی انہیں سمجھانے کی کوشش کرتیں کے وہ کیوں خوامخواہ لوگوں سے دشمنیاں مول لیتے ھیں- مگر وہ راہ بدلنے کو تیار ھی نا تھے-

وہ ایک گینگ ریپ کا کیس تھا- کہانی وہی عام سی تھی 'ایک غریب لڑکی جو بے تحاشاہ خوبصورت اور حیادار تھی اور مقابل امیر ماں باپ کے بگڑے ھوئے رئیس زادے- مخالف پارٹی اثرورسوخ والی تھی ان کا وکیل شہر کا بہترین وکیل تھا تو مقابل ارد شیر خان بھی کچھ کم نہ تھا- انہوں نے اسے خریدنے اور اپنے حق میں ہموار کرنے کی ہر ممکن حد تک کوشش کی 'مگر وہ ارد شیر خان! اسے کیا کوئی خرید سکتا

تمام گوائیاں اور ثبوت شیر لالہ نے ان لوگوں کے خلاف اکھٹے کر لیے تھے۔ کیس ہر لحاظ سے ان کے حق میں تھا مقدمے کا فیصلہ سنایا جانا باقی تھا ان لوگوں کو کڑی سے کڑی سزا ملنے کی قوی امید تھی کہ اچانک سب کچھ بدل گیا وہ جو عورتوں کے حق کی بات کر رہا تھا ایک لڑکی کو بے آبرو کرنے والے کو انجام تک پہنچا دیا جائے کہ ایک لڑکی کا الزام

اس پر لگ گیا۔

ایک بکھرے حلیے میں لڑکی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ اپنے ہی آفس موہ سب کو یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے ایک کامیاب وکیل جس کے اگے کوئی ٹک نہیں سکتا تھا وہ گردن جھکائے کھڑا تھا سب ثبوت ان کے خلاف تھے مظلوم لڑکی اپنے اوپر ہوئے ظلم کی داستان رو رو کر سنا رہی تھی میں خبر ملتے ہی پاکستان آگیا بی جان اور کیتی بھابھی کا رو رو کر برا حال تھا۔ ہمیں ان کی بے گناہی کا یقین تھا میں ان کو حوصلہ دیتا اور سبق پڑھاتا سب سے اچھا وکیل کیا۔۔ان کو تسلی دیتے کے ہم سب ان کے ساتھ ہیں۔ مگر وہ ثابت کیے بنا اس دنیا سے چلے گئے ان کے اس طرح خودکشی سے بہت لوگوں کو یقین ہو گیا بے ان کی بے گناہی کا کچھ کو نہیں بھی ہوا۔

ان یقین نہ کرنے والوں میں میرے چچا کی فیملی سر فہرست ہے۔ میری بچپن کی منگیتر پلوشا نے سب کی طرح مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔ ہم بہت اچھے دوست تھے۔ بہت آپس میں بنتی تھی مگر بڑے آرام سے سب رشتے توڑ گئی کیونکہ میں بد کردار بھائی کا بھائی تھا۔

میں شیر لالہ سے زوبیہ کا موازنہ کرتا ہوں تو یہ مجھے اس مضبوط مرد سے زیادہ طاقتور لگتی ہے لیکن مجھے ڈر ہے کی وہ بہادری کے سارے تمغے اتار نہ پھینکے اور وہ بھی بزدلانہ فیصلہ

نہ کر دے۔انہیں اس کی آواز میں ہلکی سی نمی محسوس ہوئی۔

بہت سارے لوگ دیکھنے میں کتنے خوش باش لگتے ہیں۔ایسا لگتا ہے انہیں کوئی غم نہیں قریب جا کر دیکھو تو پتا چلتا ہے کہ سچائی یہ نہیں۔دنیا واقعی آزمائش گاہ ہے۔

انہوں نے گردن موڑ کر اپنے سے بہت پیچھے رہ جانے والے اسفندیار کو دیکھا جو خاموش کھڑا آتی جاتی لہروں کو دیکھ رہا تھا کسی خیال میں گم۔

اندھیرا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔مگر وہ اس اندھیرے میں بھی روشنی پا رہے تھے۔ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے انہیں گہری نیند سے بیدار کیا ہو۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بہت یادیں اور آنسو کی برسات تھی جس نے وہاں موجود ہر چیز کو دھندلا کر دیا۔اس سمندر کو بھی۔

بھائی آپی نے آپ کو بہت زور سے مارا ہے نالاؤ میں دوا لگا دوں۔

وہ سترہ سال کا لڑکا بغیر بتائے لڑکوں کے ساتھ سینما چلا گیا آتے ہی باپ نے بہت مارا اور پھر ایک چھوٹی سی بچی اس کو پیار کر کے دلاسہ دے رہی تھی اور بہت افسردہ ہو رہی تھی وہ یہ سوچ کر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لب لب بری ہوئی تھی۔

کیا کر رہی تم میرے کمرے میں منظر بدل گیا بچی زرا بڑی ہو گئی۔میں آپ کا روم صاف کر رہی ہوں دیکھیں میں نے آپ کے سب کپڑے کیسے رکھے وہ بڑی محبت سے

صاف ستھرے طے ہوئے کپڑے دیکھا رہی تھی

تمہیں میری چیزوں کو ہاتھ لگانے کی جرت کیسے ہوئی وہ لڑکے مارے چند قدم پیچھے

ہوئی

ایندہ میری کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو ہاتھ توڑ دونگا۔

گیٹ لاسٹ"

وہ دھاڑا تھا اور وہ سہم کر بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی، مگر اسکی آنکھوں میں شکوہ

صاف نظر آرہا تھا۔ باپ کے رویے سے بد ظن ہو کر وہ دونوں بھائی گھر سے باہر سکون

تلاش کرتے تھے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باپ کا رویہ بیٹوں کے ساتھ بھی حاکمانہ تھا

وہ بھی اسکی رعایا تھے، مگر ان کے پاس گھر سے باہر ایک وسیع دنیا تھی۔ جہاں ان کے

بہت سے دوست تھے، بہت سی مصروفیات تھیں، ان کی زندگی اس چار دیواری تک

محدود نہ تھی جو وہ کسی احساس کمتری کا شکار ہو جاتے یا تنہائی محسوس کرتے۔ ایسے میں

انہیں کبھی اس لڑکی کا دھیان ہی نہیں آیا جو ان کی اکلوتی بہن تھی۔، جس پر زندگی ہر

طرح تنگ تھی، ماں کے مرنے کے بعد وہ اور تنہا ہو گئی اور خود وہ شادی کے بعد اپنی نئ

زندگی میں بڑے مطمئین اور مگن ہو گئے۔

ہاں اس سے غلطی ہو گئی تھی، مگر اس کی غلطی سے بھی زیادہ بڑی غلطیاں تو وہ کرتے رہتے تھے اور وہ بھی مسلسل۔ کبھی انہوں نے سکون سے بیٹھ کر یہ بات سوچنے کی کوشش کیوں نہ کی کہ گھر کے افراد کے مابین ہونے والی ایک بات کا تزکرہ سارے خاندان میں کس طرح ہو گیا، ساتھ رہتے انہوں نے کبھی اپنی بیوی کی بری عاداتوں کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ بیوی کو بیوی بنا کر کیوں نہیں رکھا۔ اگر وہ غیرت مند تھے، عزت پر جان دینے والے تھے تو انہیں اس بات کو اپنے گھر سے باہر نکلنے سے روکنا چاہیئے تھا، وہ ایک غلطی کے بعد بدل گئی تھی، مگر آگے جو کچھ ہوا اس کے ذمہ داروں میں وہ سب سے آگے تھے۔ ابی اپنے پچھتاووں میں کھوئے اور وہ دونوں بھائی نام نہاد غیرت کا راگ الاپنے میں مصروف۔

"شیما بھابھی بھائی کو سونے سے پہلے یہ دوا ضرور دے دیجئے گا"

وہ بظاہر بند آنکھوں سے اس کا پر تشویش لہجہ سن رہے تھے۔ کیسا عشق تھا اسے اپنے بھائیوں سے، جو اسے منہ نہیں لگاتے تھے، اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اس وقت ان کے دل میں اس کے لیے سوئی ہوئی محبت اچانک بیدار ہو گئی تھی۔ وہ اسے ابی کی دن رات ایک کر کے خدمت کرتے ہوئے دیکھتے۔ ابی سے لیکر اپنے بھتیجے بھتیجیوں تک۔ وہ۔ ہر ایک سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ سب کا۔ خیال۔ رکھنا

جیسے اس پر فرض تھا اور وہ۔ خواب میں اسے کیا دے رہے تھے۔ صرف نفرت، حقارت اور اس کے اپنے ہی گھر میں اسے تیسرے درجے کے شہری جتنے حقوق۔

وہ اپنے کلاس فیلو کا رشتہ آ جانے پر چوروں کی طرح سب سے منہ چھپائے پھر رہی تھی۔ کیا اسکا اتنے برسوں کا زندگی گزارنے کا ڈھنگ ان لوگوں کے سامنے نہ تھا۔ انہوں نے کبھی یہ بھی نہیں سوچا کہ اتنی محبت سے رشتہ مانگنے والے کبھی دوبارہ ان کے گھر کیوں نہیں آئے۔ ان کی آنکھوں سے گرنے والے تمام آنسو اس لڑکی کے نام تھے، جسے وہ بہن کہتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ جس کے ساتھ تعلق اور وابستگی نے انہیں برسوں ندامت میں مبتلا کیے رکھا تھا۔

منظر پھر بدل گیا تھا اب وہ چیخ چیخ کر سب کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔ فرمان کا ہاتھ بے خوفی سے پکڑ کر وہ چلا رہی تھی۔

"تم سب ذلیل ہو، بے غیرت ہو، تم لوگ مجھے کیا نکالو گے میں خود تمہارے اس گھر پر تھوک کر جا رہی ہوں۔"

وہ چپ چاپ تماشائی بنے کھڑے رہے تھے۔ حالانکہ اس لمحہ ان کے دل نے اس کے حق میں گواہی دی تھی، مگر وہ دل کی بات سننے پر آمادہ ہی کب تھے، وہ بھائیوں کے

ہوتے بے امان ہو گئی تھی۔

"میں آپ لوگوں کو ستانے واپس نہیں آؤں گی، آپ لوگ چاہیں تو سب سے کہہ دیجیئے گا کہ زوبیہ ہمیشہ کی لیے چلی گئی ہے یا مر گئی ہے"

"ہم نے تمہیں جیتے جی مار ڈالا، زوبی! کبھی پلٹ کر دیکھنے بھی نہیں گئے کہ ہماری بہن کس حال میں ہے۔ یہ کیسی انا تھی، کیسی ضد، کس بات کا غصہ تھا۔"

وہ نڈھال ہو کر ساحل کی گیلی ریت پر بیٹھ گئے تھے۔ گزرا ہوا وقت واپس کس طرح لا یا جا سکتا تھا، اب جب اپنی ہر غلطی نظر آنی شروع ہو گئی تھی تو دل کو اس ملال نے گھیرے میں لے لیا تھا کی اپنی زیادتیوں کا ازالہ کس طور ہو..

اپنے کندھے پر ہلکا سا دباو محسوس کر کے انھوں نظر اٹھا کر دیکھا تو اسفندیار اپنے برابر میں بیٹھا نظر آیا... "مجھ سے بہت بڑی زیادتی ہو گئی اسفند اس گناہ پر تو شاید خدا مجھے کبھی معاف نہیں کریگا"

وہ گلوگیر لہجے میں بولے تھے...

مگر تمھیں پتہ ہے جس روز سے وہ گھر سے گئی ہے میں سکون کی نیند نھی سویا.

اب تو قدرتی نیند سوئے عرصہ ہو گیا اکثر وحشت سے آنکھ کھل جاتی ہے میری میں اسے کاروباری تھکن سمجھ کر خود کو دھوکا دیتا رہا.

تم نے ٹھیک کہا تھا کہ جب ہم کچھ غلط کرتے ہیں تو ہمارا ضمیر ہمیں کچوکے لگاتا ہے جواب طلبی کرتا ہے ہم نہ سمجھیں وہ الگ بات ہے..ہ

وہ خاموشی سے اس اونچے پورے مرد کو روتا بکھرتا دیکھتا رہا...

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ارہا تھا ایسا کیسے ہو سکتا ہے. وہ حیران تھی کہ سامنے کھڑا شخص واقعی اسکے سامنے ہے یا دھوکا ھے...اسے لگا وہ شاید اب جاگتے ہوئے خواب دیکھ رہی ہے..ہ.اسے اسی طرح گم صم دیکھ کر وہ ایک قدم آگے بڑھکر باہیں پھیلائے تھے...

)مکمل ناول پڑھنے کے لیے فس بُک پیج ناول ہی ناول لائیک کریں(

زوبیہ مجھ سے ملو گی نہیں؟؟..یہ آواز کتنی جانی پہچانی تھی مگر لہجہ قطعاناما نوس!!..

وہ انکی طرف ایسے آہستگی گے بڑھی جیسے اسے پتہ تھا کے وہ بڑھے گی اور وہ غائب ہو جائینگے.

مگر نہ وہ غائب ہوئے نہ منظر بدلا..اس سے ایک قدم فاصلے پر اسکا بھائی کھڑا تھا اور اس مے پیچھے وہ شخص مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جسے وہ اپنے تمام کھوئے ہوئے رشتوں کی طرح رو چکی تھی.اپنے حساب سے جس نے اسے کھو دیا تھا...

بھائی..! چیخ کی صورت یہ لفظ اسکے منہ سے نکلا..

اگلے پل وہ انکی بانہوں میں چھپی تھی اور زار و قطار رو رہی تھی اسے چپ کراتے کراتے وہ خود بھی رو پڑے..

چلو زوبی میں تمھیں گھر لے جانے آیا ہوں تمھارا گھر تمھارا انتظار کر رہا ہے..

وہ حیرت سے انکو تکنے لگی..وہ اس کا سوال سمجھ گئے تھے..ہم نے تمھارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے.. گزرا وقت واپس نہیں آسکتا..میری جان-!! میں اپنی ہر زیادتی کا ازالہ کرونگا..

اسفندیار بہن بھائی کے اس ملن پر طمانیت محسوس کرتا خاموشی سے چلا گیا...ساری رات جاگ کر وہ دونو آپس میں بہت سی چھوٹی....

چھوٹی باتیں کرتے رہے جو کبھی نہیں کی تھیں..

اذان کی آواز پر دونوں چونکے...

جب ہم. اللہ سے شکوہ کرنے میں دیر نہیں کرتے تو شکر میں کیوں..؟؟

وضو کرتے وقت اسنے سوچا..

وہ ہسپتال کے تمام وارڈز میں گھومتے وہاں کے لوگوں سے اسکی تعریفیں سن رہے تھے... کسی نہ کسی کے پاس اسکے بارے میں قابل ذکر بات موجود تھی

وہ حیرانگی کے ساتھ فخر محسوس کر رہے تھے..

وہ جانے سے پہلے اس سے ملکر جانا چاہتی تھی.. جس نے اسکی زندگی سے خار ہٹائے تھے..

لیکن جانے کا وقت آگیا پر اس سے بات کس موقع نہ ملا..

کیا کہنا چاہتی ہو... وہ جاتے وقت پیچھے رہ گئی تھی اور وہ دانستہ... سب پارکنگ کی طرف بڑھ گئے تھے جبکہ وہ دونوں کوریڈور میں آمنے سامنے موجود تھے..

"لیکن اس سے پہلے یہ بتاؤ تم نے صرف ان دو دنوں میں میرے بارے میں کتنی منفی سوچیں سوچ ڈالی تھی سچ بتانا؟؟"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

خفگی سے پوچھا

آپ نے کچھ کہا جو نہیں تھا کوئی بھی تسلی... وہ اعتراف کرتے ہوئے بولی...

مجھے بعمل کرنا پسند ہے تمھارے پاس بیٹھ کر تسلی کے بجائے میں سب ٹھیک کرنے چلا گیا تمھیں پتہ ہے مجھے تقریریں پسند نہیں.. آپ نے میرے لئے اتنا کچھ کیا کہ میں....

اسنے زوبیہ کی بات فورا کاٹی

اب خدا کیلئے یہ شکریہ کرنے مت بیٹھ جانا میں نے جو کیا صرف اپنے لئے کیا...

اسکو یہ بات سمجھ نہ آئی اسفند اسکی حیرانگی بھانپ گیا

ہونہ بے وقوف ایسے میری بات سمجھ نہیں آئیگی جب تک تقریر نہ کر دوں...

وہ آج اپنے بے وقوف کہے جانے پر ناراض نہیں ہوئی تھی..

میں وہاں اپنے لئے گیا تھا کیونکہ تمھاری عزت میری عزت ہے.. تمھارے خوشی غم سب میرا بھی ہے...اسی لئے میں وہان اپنے لئے گیا...تم مجھ سے روز یہ سننا چاہتی تھیں..میں نے تمھارے چہرے پر لکھی خواہش پڑھی تم تسلی چاہتی تھیں مگر تم سے یہ باتیں کہتے ہوئے میں تب اتنا اچھا Chilli Milli ...

Pg 185

محسوس نہیں کر سکتا تھا جتنا آج کر رہا ہوں.اب یہ بولتے ہوئے مجھے ایسا نہیں لگ رہا کہ میں کھوکھلے لفظ ادا کر رہا

ہوں وہ بس خاموشی سے ایک ٹک ایسے دیکھ جا رہی تھی.اس نے اس کے ہاتھ بڑی محبت سے اپنے ہاتھوں میں لیے اور بہت مستحکم لہجے میں بولی.

"وہ سب لوگ جو مجھ سے پیار کرتے ہیں.میری عزت کرتے ہیں.انہیں تم سے بھی اتنا پیار کرپڑے گا جتنا مجھ سے کرتے ہیں تمہاری بھی اتنی عزت کرنی پڑے گی جتنی میری کرتے ہیں.تم چاہو تو اسے میری طرف سے کوئی وعدہ سمجھ سکتی ہو,کوئی عہد کوئی

پیمان." وہ پاس کھڑا اس کی آنکھوں میں جھلملاتے ستارے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی.

تمہارے آنے کی خوش خبری میری امی نے برسوں پہلے مجھے دے دی تھی. امی آپ نے بالکل سچ کہا تھا واقعی ایسا شخص میری زندگی میں آ چکا ہے وہ جو مجھ سے صرف پیار ہی نہیں کرتا بلکہ میری عزت بھی کرتا ہے" .

وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھے تھے. اسفندیار آہستہ آواز میں اس سے مخاطب ہوا تھا.

اور یہ بھی یاد رکھو زوبیہ انقلاب کا نعرہ لگا دینے سے انقلاب آ نہیں جاتا. اس کے لئے بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں. مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے. تمہیں جحت. کے مرنے کا دکھ ہے مگر یہاں مسلہ ایک جحت کا نہیں. ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر عورتوں پر ہونے والے مظالم پر دکھ کا اظہار کرنے سے عورت عورتوں کا دن منانے سے ان کے حقوق کے لیے واک کرنے سے ان کے مسائل کبھی بھی حل نہیں ہو سکتے. ہم دن منانے اور جذباتی نعرے لگانے والی قوم ہیں لیکن کسی کو تو عملی قدم اٹھانا ہی ہوگا اور وہ کسی میں اور تم کیوں نہیں ہو سکتے ہم اپنے اسی گاؤں سے ہی کیوں نہ شروعات کریں. جس طرح میں نے ہاسپٹل کا خواب دیکھا تھا اسی طرح ہم یہاں ایک سکول بھی سکتے ہیں.

ہماری یہ کوشش بہت چھوٹی بہت معمولی سی ہی سہی لیکن یہ اطمینان تو ہو گا کہ ہم نے اچھائی کی طرف ایک قدم تو بڑھیا ہی ہے.

کیا پتا یہ ننھا سا دیا آگے جا کر کتنے چراغ روشن کرنے کا باعث بنے کیا پتا وہ صبح بہار آ ہی جائے, جب کوئی جحت ظلم کی چکی میں پستی اپنی جان سے نہ چلی جائے. میں کتابوں میں لکھی ہر بات سچ کرنا چاہتا ہوں. تم اس کام میں میرا ساتھ دو گی..؟

وہ پارکنگ کے پاس پہنچ گے تھے. گاڑی کے پاس کھڑے سب لوگ ان ہی کے منتظر تھے.

ہاں میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دوں گی..اس نے صدق دل سے اسے اپنی وفاوں کا یقین دلایا تھا. ڈاکٹر شہر وز, ڈاکٹر آصفہ شہاب تاجدار سسٹر رضیہ سب لوگ اسے خدا حافظ کہنے ریحان بھائی کے ساتھ کھڑے ہوے تھے.

آپ کے جانے پر اصولا تو ہم لوگوں کو افسردہ ہونا چاہیے تھا مگر سنا ہے کہ یہ جانا عارضی ہے. اب ہو سکتا ہے کہ یہ ڈاکٹر شہر وز کا پھیلایا ہوا کوئی پروپیگنڈا ہو مگر سننے میں یہی آیا ہے کہ آپ کچھ ہی دنوں میں واپس آ جائیں گی. ہمیشہ یہاں رہنے کے لئے " .

شہاب نے بڑی شوخ سی مسکراہٹ سمیت اسے مخاطب کیا تھا. اس بات پر اس کے پیچھے کھڑا اسفندیار بھی ہنس پڑا تھا.

www.neweramagazine.com

ڈاکٹر شہروز نے آپ کو بالکل ٹھیک بتایا ہے.

اس نے مسکراتے ہوئے اعتراف کیا تو وہاں موجود سب ہی لوگ ہنس پڑے تھے.

سب کو خدا حافظ کہتی وہ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی. گاڑی لمحہ لمحہ اس چھوٹے سے گاؤں سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی مگر وہ وہاں سے دور جانے پر بالکل بھی اداس نہیں تھی. اسے پوری عزت اور چاہت کے ساتھ واپس یہیں ہی آنا تھا. جہاں وہ شخص اس کا بڑی شدت سے منتظر تھا جس سے مل کر اسے کھانوں میں لکھی ہر بات سچ کرنی تھی. کچھ دیے جلانے تھے. کچھ چراغ روشن کرنے تھے کچھ ایسے کام کرنے تھے جنھیں کرنے سے ہی انسان انسانیت کی معراج پر پہنچتا ہے۔

❤ ختم شدہ ❤

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلیئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلیئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews